سپریم کورٹ آف پاکستان

(دائرہِ سماعت زیر آرٹیکل (3)184)

بینچ:

جناب افتخار محمد چوہدری، چیف جسٹس
جناب جسٹس جواد ایس خواجہ،
جناب جسٹس خلجی عارف حُسین

انسانی حقوق مقدمہ نمبر 19/1996

درخواست منجانِب ائیر مارشل ریٹائرڈ محمد اصغر خان

درخواست گزار: ایئر مارشل (ر) محمد اصغر خان

بنام

مسئول الیہان: جنرل ریٹائرڈ مِرزا اسلم بیگ سابقہ چیف آف آرمی سٹاف اور دیگر

منجانب درخواست گزار: سلمان
اکرم راجہ (ایڈوکیٹ سپریم کورٹ)
ہمراہ ایئر مارشل ریٹائرڈ محمد اصغر خان

عدالتی نوٹس پر: جناب عرفان قادر، اٹارنی جنرل پاکستان
جناب دل محمد خان علی زئی، ڈی اے جی

منجانب مسئول الیہ نمبر 1: جناب محمد اکرم شیخ، سینئر اے ایس سی
ہمراہ جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ

منجانب مسئول الیہ نمبر 2: لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی، سابقہ ڈی جی، آئی ایس آئی

منجانب مسئول الیہ نمبر 3: جناب محمد منیر پراچہ، اے ایس سی

منجانب درخواست دہندگان: شیخ خضر حیات، سینئر اے ایس سی
(CMA No. 918/2007)

منجاب وزارتِ دفاع: کمانڈر حُسین شہباز ڈائریکٹر لیگل

منجانب وزارت داخلہ: کوئی نہیں

منجانب ایچ بی ایل: کوئی نہیں

منجانب ایس بی پی: راجہ عبدالغفور، اے او آر

منجانب نیب: جناب مظہر علی چوہدری، ڈی پی جی

تاریخ سماعت: 15 اکتوبر 2012ء

حکم

افتخار محمد چوہدری چیف جسٹس:-

انسانی حقوق کا موجودہ مقدمہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین مجریہ 1973ء کے آرٹیکل 184(3) کے تحت دائر ہوا تھا۔ جس کی بنیاد ایئر مارشل (ر) محمد اصغر خان سابقہ چیف آف ایئر سٹاف کی جانب سے لکھا جانے والا ایک مراسلہ مئورخہ 16-06-1996 جو کہ چیف جسٹس آف پاکستان کو تحریر کیا گیا تھا۔

2۔ اس درخواست کو نمٹانے کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ ہم اُس تاریخی پس منظر کا جائزہ لیں جس میں

1990ء کے عام انتخابات کا انعقاد ہوا۔ 17 اگست 1988ء کو جنرل ضیاء الحق مرحوم چیف آف آرمی سٹاف جنہوں نے 05-07-1977 کو ملک میں مارشل لاء لگایا اور بعد میں صدرِ پاکستان کا عہدہ حاصل کیا، C130 کے ایک فضائی حادثے جو کہ بہاولپور ایئر بیس پر آمد سے چند لمحے قبل پیش آیا میں وفات پا گئے تھے، مذکورہ حادثے میں اپنے وقت کی اعلیٰ ملٹری قیادت اور کچھ اور بین الاقوامی شخصیات بھی موجود تھیں ۔ جنرل مرزا اسلم بیگ جو کہ اس وقت نائب چیف آف آرمی سٹاف تھے (مسئول الیہ نمبر 1) بھی بہاول پور کی جانب سفر کر رہے تھے لیکن دوسرے جہاز میں وہ اس حادثے سے محفوظ رہے۔ اُسی دن جناب غلام اسحاق خان مرحوم جو کہ اُس وقت چیئرمین سینیٹ تھے نے آئین کے تحت قائم مقام صدر کا حلف اٹھایا اور مسئول الیہ نمبر 1 کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا گیا ۔ 16-11-1988 کو ملک میں عام انتخابات کا انعقاد کیا گیا جس کے تحت پاکستان پیپلز پارٹی جس نے دوسری تمام سیاسی جماعتوں کی نسبت سب سے زیادہ قومی اسمبلی کی نشستیں حاصل کیں نے وفاقی حکومت کی بنیاد رکھی۔ جناب غلام اسحاق خان مرحوم ملک کے منتخب صدر بنے کچھ عرصے کے بعد صدر اور محترمہ بے نظیر بھٹو مرحومہ کی منتخب حکومت کے مابین سیاسی اختلافات نے جنم لینا شروع کیا اور بالآخر 06-08-1990 کو صدر نے آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت دیئے گئے اختیارات جو کہ آئین میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے شامل کئے گئے تھے کی بنیاد پر قومی اسمبلی کو تحلیل کر دیا اور حکومت کو معطل کر دیا ان الزامات کی بنیاد پر کہ وفاق کی حکومت آئین کی شقات کے مطابق نہیں چلائی جا رہی ۔ اسمبلیوں کی تحلیل کا یہ حکم اس عدالت کے روبرو مقدمہ احمد طارق رحیم بنام وفاق (PLD 1992 SC 646) میں چیلنج کیا گیا لیکن عدالت نے اس کی توثیق کی ۔

3۔ جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کا تقرر بطور قائم مقام وزیر اعظم کے طور پر کیا گیا اور نئے انتخابات 24-10-1990 کو کروانے کی تاریخ دے دی گئی ۔ ایک انتخابی اتحاد جو کہ 9 سیاسی جماعتوں پر مشتمل تھا اور اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) کے نام سے جانا جاتا تھا نے سب سے زیادہ پارلیمانی اکثریت حاصل کی اور میاں محمد نواز شریف کو وزیر اعظم پاکستان منتخب کرتے ہوئے حکومت کی تشکیل کی ۔ 19-04-1993 کو غلام اسحاق خان نے ایک دفعہ پھر آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت دیئے گئے اختیارات استعمال کرتے ہوئے بد انتظامی ، کرپشن اور اقرباء پروری کے الزامات کی بنیاد پر قومی اسمبلی تحلیل کر دی۔ جس کی وجہ سے ایک دفعہ پھر قائم مقام حکومت قائم کی گئی جس میں بلخ شیر مزاری کو قائم مقام وزیر اعظم کے طور پر نامزد کیا گیا۔ اسمبلی کی تحلیل کا یہ حکم بھی

عدالت عظمیٰ میں مقدمہ میاں نواز شریف بنام وفاق (PLD 1993 SC 473) چیلنج کر دیا گیا ۔جس میں صدر کا آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت اختیارات کا استعمال غیر آئینی قرار دے دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں قومی اسمبلی اور حکومت دوبارہ بحال ہوئی۔ تاہم سیاسی کشمکش جاری رہی جس کی بنیاد پر صدر نے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کی صلاح سے ایک دفعہ پھر قومی اسمبلی تحلیل کر دی اور سیاسی انتظامات کے تحت چھٹی پر چلے گئے۔ اس وقت جناب وسیم سجاد جو کہ چیئرمین سینیٹ تھے کو آئین کے تحت قائم مقام صدر مقرر کیا گیا اور جناب معین قریشی جو کہ نیو یارک میں ایک بینکر کے فرائض سر انجام دے رہے تھے کو بطور قائم مقام وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ 06-10-1993 کو الیکشن ہوئے اور پاکستان پیپلز پارٹی سب سے زیادہ نشستوں کے ساتھ کامیاب ہوئی اور ایک دفعہ پھر محترمہ بے نظیر بھٹو مرحومہ وزیر اعظم منتخب ہوئیں۔ فاروق احمد خان لغاری جو کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک سیاسی کارکن تھے پاکستان کے نئے صدر بنے 06-11-1996 کو صدر فاروق احمد خان لغاری نے بھی آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کے اختیارات استعمال کرتے ہوئے قومی اسمبلی کو لا تعداد الزامات کی بناء پر تحلیل کر دیا۔

4۔ مئورخہ 11-06-1996 جب پاکستان پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار تھی میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر اس وقت کے وزیر داخلہ تھے نے قومی اسمبلی میں اپنی ایک تقریر کے دوران ایک حلف نامہ مورخہ 24-07-1994 جو کہ سابقہ ڈائریکٹر جنرل انٹر سروس انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی (مسئول الیہ نمبر 2) کا حلف تھا اور جس میں انہوں نے اقرار کیا تھا کہ مختلف اوقات میں مختلف رقوم اُن سیاسی جماعتوں کو جو کہ آئی جی آئی کا حصہ تھیں الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے بانٹی گئی تھیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے حلف نامہ تحریر کرتے وقت (مسئول الیہ نمبر 2) جرمنی کے شہر ''**بون**'' میں پاکستان کے سفیر کے طور تعینات تھے۔ حلف نامے میں اُنہوں نے اقرار کیا کہ ستمبر 1990ء میں جب کہ وہ ڈی جی آئی ایس آئی تھے انہیں مسئول الیہ نمبر 1 اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف سے ہدایات موصول ہوئیں کہ ''**کراچی کے کسی تاجر کی جانب سے دئیے گئے چندے کی رقم میں سے کچھ مالی معاونت آئی جے آئی کی انتخابی مہم کے لئے مہیا کی جائے**''۔ اُن کو یہ بھی بتایا گیا کہ اس عمل کو حکومتی آشیر باد حاصل ہے اور وہ ہدایات کے مطابق عمل کریں۔ اُن کے اس حلف نامے کے مندرجات ذیل میں درج ہیں:

حلف نامہ

''میں مسمی اسد درانی، بالغ، مذہب اسلام، سابقہ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی، موجودہ سفیر پاکستان برائے جرمنی، بون برحلف اقرار کرتا ہوں کہ:

1۔ ستمبر 1990ء میں بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی مجھے اُس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ جو کہ اب ریٹائر ہو چکے ہیں کی جانب سے ہدایات موصول ہوئیں کہ میں کراچی کے کسی تاجر کی جانب سے دیئے گئے چندے کو آئی جے آئی کی انتخابی مہم کیلئے فوجی امداد کے طور پر دوں اور مجھے یہ بتایا گیا کہ اِس عمل کو حکومت کی آشیر باد حاصل ہے۔

2۔ اِس کیلئے میں نے کچھ افسران سے بات کی اور مندرجہ ذیل اقدامات کئے:

(a) کچھ بینک اکاؤنٹس کراچی، کوئٹہ اور روالپنڈی میں کھلوائے۔

(b) رقم جو کہ تقریباً چودہ کروڑ روپے تھی کراچی میں جناب یونس حبیب کے اکاؤنٹ میں جمع کروائی۔

(c) اور جس طرح ضرورت محسوس کی رقم کوئٹہ اور راولپنڈی کے اکاؤنٹس میں منتقل کی۔

(d) تقریباً چھ ملین (60 لاکھ) براہِ راست چیف آف آرمی سٹاف کی ہدایات پر ایوانِ صدر میں موجود انتخابی سیل کی راہنمائی میں تقسیم کی گئی۔

(e) بقایا رقم ایک مخصوص فنڈ کو منتقل کر دی گئی۔

60 لاکھ روپے کی تقسیم کی تفصیلات لف ہیں۔

دستخط

لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی

24 جولائی 1994ء

نواز شریف کی بد عنوانیاں: وزیر داخلہ نے چارج شیٹ قومی اسمبلی میں پیش کر دی

سابق وزیر اعظم نے ایک غیر ملکی بینک کے سربراہ کو پاکستان بلایا اور قرضے کیلئے ہاتھ پھیلا کر 15.5 ملین ڈالر کا قرضہ لیا

انتخابی مہم کیلئے آئی ایس آئی سے 35 لاکھ روپے لئے جنوبی ایشیاء کا امیر ترین آدمی بننے کیلئے قومی خزانے لوٹتے رہے

اپوزیشن لیڈر اپنی بد عنوانیوں کو چھپانے کیلئے احتسابی کمیشن کا مطالبہ کر رہے ہیں، وفاقی وزیر داخلہ نے دستاویزی ثبوت پیش کر دیئے

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی + اے پی پی) وزیر داخلہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) نصیر اللہ بابر نے پیر کو رات گئے قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف کے خلاف ایک نئی چارج شیٹ پیش کی ہے جس میں انہوں نے وزیر اعظم کی حیثیت سے نواز شریف پر ناجائز مالی فائدہ حاصل کرنے اور بد عنوانیوں میں ملوث ہونے کے الزامات لگائے ہیں۔ وزیر داخلہ نے الزام لگایا کہ نواز شریف نے نیو جرسی میں چوہدران کمپنی کے نام سے ایک جعلی کمپنی رجسٹر کرائی اور جب وہ 1991 میں وزیر اعظم تھے انہوں نے الفیصل انویسٹمنٹ بنک کے پرنس محمود الفیصل کو سٹیٹ گیسٹ کے طور پر پاکستان بلایا اور مری میں ان سے قرضہ حاصل کرنے کی بات کی۔ میاں شہباز شریف بھی اس موقعہ پر موجود تھے۔ میاں نواز شریف نے غیر ملکی مہمان کے آگے ہاتھ پھیلا کر ملک کو شرمندہ کیا مگر وہ خود شرمندہ نہ ہوئے۔ میاں نواز شریف کو اس بنک سے 15.5 ملین ڈالر کا قرضہ مل گیا۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ یہ قرضہ چوہدری شوگر ملز کیلئے استعمال ہوا۔ اس موقعہ پر قومی اسمبلی میں موجود اپوزیشن

باقی صفحہ 6 کالم 3 پر

ارکان نے نصیر اللہ بابر کے الزامات پر شدید احتجاج کیا اور کہا کہ وزیر داخلہ اس وقت الزامات لگا رہے ہیں جب اپوزیشن کے بیشتر ارکان موجود نہیں۔ وزیر داخلہ نے ایوان میں ایک اور دستاویز پیش کی جس میں آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) اسد درانی کا حلف نامہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس دستاویز میں ان سیاستدانوں کے نام شامل کئے گئے ہیں جنہیں اس وقت کے بری فوج کے سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ کی ہدایت پر انتخابی مہم کے لئے آئی ایس آئی کی طرف سے فنڈز دیئے گئے تھے۔ یہ فنڈز حبیب بینک کے صوبائی چیف یونس حبیب سے 14 کروڑ روپے کی صورت میں جنرل بیگ نے وصول کئے تھے ان میں سے 3.5 ملین روپے نواز شریف کو دیئے گئے۔ جنرل (ر) اسد درانی کے حلفیہ بیان کے مطابق سیاستدانوں کو دی گئی رقم کی تفصیل یہ ہے۔

سرحد میر افضل خان = 10 ملین

پنجاب

نواز شریف = 3.5 ملین

لیفٹننٹ جنرل (ر) رفاقت = 5.6 ملین

جماعت اسلامی (سے آئی) = 5.0 ملین

عابدہ حسین = 1.0 ملین

الطاف حسن قریشی اور مصطفیٰ صادق = 0.5 ملین

دیگر چھوٹے گروپ = 3.339 ملین

سندھ جتوئی = 5.0 ملین جام صادق = 5.0 ملین جونیجو = 2.5 ملین

پیرپگاڑا = 2.0 ملین مولانا صلاح الدین = 0.3 ملین

دیگر چھوٹے گروپ = 2.4 ملین

بلوچستان

ہمایوں مری (بگٹی کے داماد) = 1.5 ملین

جمالی = 4.0 ملین

کاکڑ = 1.0 ملین

جام یوسف = 0.75 ملین

کے بلوچ = 0.5 ملین

بزنجو = 0.50 ملین

نصیر مینگل = 1.00 ملین

وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے کہا کہ نواز شریف فیملی نے قومی خزانے کی قیمت پر اپنی صنعتی ایمپائر (اتفاق فونڈری) قائم کی انہوں نے مختلف قرضوں کے علاوہ ہر طریقے سے قومی خزانے کو لوٹا انہوں نے کہا کہ جنوبی ایشیاء کا امیر ترین آدمی بننے کیلئے صنعتی ایمپائر قائم کرنا میاں نواز شریف اور ان کے خاندان کے لوگوں کا خواب تھا۔ احتسابی کمیشن کے قیام کی تجویز کے حوالے سے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے کہا کہ نواز شریف کمیشن کے قیام کا مطالبہ اس لئے کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنی بد عنوانیوں کو چھپا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ اپوزیشن لیڈر اس طرح کی باتیں کر کے اپنی بد عنوانیوں کو عوام سے چھپا نہیں سکتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر دنیا میں دنیا کے بد عنوان ترین شخص کیلئے سروے کرایا جائے تو انہیں یقین ہے کہ

نواز شریف اس فہرست میں صف اول پر ہونگے۔ وہ کسی بھی ملک کے پہلے وزیر اعظم ہونگے جنہوں نے اپنے مفادات کیلئے اپنے ہی ملک کے قومی خزانے کو لوٹا۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ نواز شریف نے جنوبی ایشیاء کا امیر ترین آدمی بننے کا خواب اس وقت دیکھنا شروع کیا جب وہ پنجاب کے وزیر خزانہ بنے اور انہوں نے وہ کچھ کیا جس کی کسی عوامی نمائندے سے توقع نہیں کی جا سکتی اور جب وہ ملک کے وزیر اعظم بنے اس وقت تک ان کے صنعتی یونٹوں کی تعداد 9 سے بڑھ کر 20 ہو چکی تھی۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ اپوزیشن لیڈر نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے لاہور اور مری میں انتہائی عالیشان مکان اور فارم ہاؤس بنائے۔ نواز شریف کے خاندان کے افراد کے مطابق نواز شریف کے لندن اور واشنگٹن میں بھی انتہائی شاندار فلیٹ ہیں انہوں نے کہا کہ اپوزیشن لیڈر دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ صاف ہیں اور وہ محب وطن ہیں مگر انہیں اپنی بد عنوانیوں پر بھی نظر ڈالنی چاہئے۔

رقم وصول کرنے والے افراد کے نام ان کے حلف نامے سے علیحدہ کر لئے گئے ہیں اور کسی مناسب جگہ پر

بیان کئے جائیں گے۔

5۔ اس وقت کے وزیر داخلہ اور مسئول الیہ نمبر 2 کے حلف نامے کے مندرجات جو کہ روزنامہ جنگ کے شمارے مورخہ 1996-06-15 میں شائع ہوئے لف ہیں۔

6۔ ائر مارشل (ریٹائرڈ) محمد اصغر خان سابق چیف آف ائیر سٹاف جنہوں نے بطور فائٹر پائلٹ گراں قدر خدمات سرانجام دیں نے ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں شمولیت کر لی اور تحریک استقلال پاکستان کے نام سے اپنی سیاسی پارٹی بنالی اپنے مذکورہ بالا خط میں درج ذیل رقم طراز ہیں۔

"بذریعہ ٹی سی ایس" ذاتی مورخہ 16 جون 1996ء

محترم جناب جسٹس سجاد علی شاہ صاحب

میں آپکی توجہ 11 جون 1996ء کو قومی اسمبلی میں وزیرِ داخلہ کے انکشاف کی طرف دلانا چاہتا ہوں جس میں انہوں نے کہا کہ جنرل (ریٹائرڈ) مرزا اسلم بیگ سابق چیف آف آرمی سٹاف نے مہران بینک سے 15 کڑور روپے نکلوائے اور اس رقم کو 1990ء کے انتخابات سے قبل مختلف لوگوں میں تقسیم کیا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ یہ سب لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ اسد درانی ، ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی کے ذریعے کیا گیا ۔ جنرل درانی کے بیان کو قومی اسمبلی میں پڑھ کر سنایا گیا۔ میں رزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ 12 جون 1996ء کا تراشہ ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ اور لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) اسد درانی کا یہ فعل قابلِ مذمت ہے اور میں آپکو ان دو افراد جنہوں نے مسلح افواج کی ساکھ کو نقصان پہنچایا اور مسلح افواج کے نظم و ضبط کو سبوتاژ کیا، کے خلاف قانونی کاروائی کا آغاز کرنے کیلئے لکھ رہا ہوں۔

مخلص

دستخط

ایم ۔ اصغر خان

7۔ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر جو کہ اس وقت کے وزیرِ داخلہ تھے نے سیاسی جماعتوں کو رقوم کی تقسیم کا یہ

مسئلہ قومی اسمبلی میں مسئول الیہ نمبر 2 کے حلف نامے کو پڑھتے ہوئے اُٹھایا جس میں انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ چند افراد کو اسلامی جمہوری اتحاد کی انتخابی مہم چلانے کے لئے رقوم بانٹی گئی تھیں۔ حلف نامے سے بیشتر انہوں نے ایک تحریر شدہ پیغام بھی اس وقت کے وزیر اعظم کو بھیجا تھا جس میں انہوں نے درج ذیل بیان دیا۔

Embassy of Pakistan

5300 Bonn 2

Rheinallee 24

Telephone 35 20 04

7 June 94

"خفیہ"

محترم جناب وزیر اعظم صاحب

میں ڈائریکٹر ایف آئی اے کو دیے گئے اپنے "اقبالی بیان" میں چند مزید نکا ت شامل کرنا چاہتا ہوں جوباعث پریشانی اور حساس بھی ہو سکتے ہیں۔

a۔ وصول کرنے والوں میں کھر 2 ملین ،حفیظ پیرزادہ 3، سرور چیمہ 0.5 اور معراج خالد نے 0.2 ملین وصول کیے۔ آخرالذکر دو افراد غلط جانب نہ تھے۔ وہ صرف کسی کی خاص عنایت کی وجہ سے مستفید ہوئے۔

(b)۔ باقی کے اسی ملین یا تو آئی ایس آئی کے (k) فنڈ (60 ملین) میں جمع کرائے گئے یا ڈائریکٹر ایکسٹرنل انٹیلی جنس کو خاص آپریشنز کے لئے دئیے گئے (شاید اس نامناسب کارروائی پر پردہ ڈالنے کے لئے، لیکن یہ ایك نازك اطلاع ہے)

(c)۔ ایسی کارروائی پر نہ صرف صدر کا دستِ شفقت تھا اور عبوری وزیر اعظم کی بھر پور شرکت تھی بلکہ فوج کی اعلیٰ قیادت کو بھی اس کا علم تھا۔ موخر الذکر جنرل بیگ سمیت ہم میں سے بہت سوں کے لئے دفاع ہو گا (جنہوں نے اپنے رفقاء کو اعتماد میں لیا) لیکن یہ ایسا کام ہے جسکا ہم نے دفاع کرنا ہے۔

اس نکتہ پر میرے دماغ میں اکثر خیالات کا تصادم رہتا ہے کہ اس کارروائی کا مقصد کیا ہے؟

a۔ اگر یہ اپوزیشن کو نشانہ بنانے کے لئے ہے تو ''یہ امداد ان کا جائز حق ہو سکتا ہے، خاص طور پر کہ اگر وہ خاص رستوں سے آئے ہوئے ہوں۔''کچھ شرمندگی ہو سکتی ہے لیکن چند ملین آج کے دور میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

b۔ اگر اس ارادے کا مقصد جنرل بیگ کو فرش پے لگانا ہے تو ''تو وہ تو صرف حکومتی ہدایات کے مطابق امداد کو پہنچانے میں مدد کر رہے تھے اور انہیں فوج کی اعلیٰ قیادت کی رضا مندی بھی حاصل تھی میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس مقدمہ میں کچھ اور معاملات میں شامل رہے۔

c۔ غلام اسحاق خان اس میں معصوم بن سکتے تھے کیونکہ انہوں نے بلا واسطہ اپنے آپ کو اس میں شامل نہیں کیا۔

d۔ بے شك قانون کے اصل لوازمات پورے کرنے ہوتے ہیں اس صورتِ حال میں ہمیں خاص آپریشنز اور ممکنہ طور پر افواج سے متعلق اس کی حساسیت کا خیال رکھنا چاہئیے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ میں جانے سے پہلے آپ کو ہر صورت ملنا چاہتا تھا۔ میں چیف آف آرمی سٹاف سے متعلق بھی بات کرنا چاہتا تھا۔ اسی دوران، آپ کو اکثر ملنا چاہئیے تھا اور ملك کے بہترین مفاد میں کام کرنا چاہئیے تھے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ یہ تمام آفاقی اور انسانی آفات ہمیں مضبوط کرنے اور معاملات سلجھانے کے لئے ہوں نہ کہ ہمارے مجموعی گناہوں کی مظہر ہوں۔

نہایت ادب اور عزت کے ساتھ

آپ کا مخلص

اسد درانی

8۔ جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ، سابق چیف آف آرمی سٹاف، لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی، سابقہ ڈی جی

آئی ایس آئی اور جناب یونس حبیب، سابقہ چیف مہران بینک لمیٹڈ نے سیاست دانوں کے گروہ کو رقوم کی منتقلی کی تا کہ 1990 کے عام انتخابات کے نتائج پر اثر انداز ہوا جائے لہٰذا یہ افراد مجوزہ اسکینڈل کے اہم کردار ہونے کے ناطے مسئول علیہان نمبر 1 تا 3 کے زمرے میں آتے ہیں اس لئے انہیں نوٹسز جاری کئے گئے تھے۔

9۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بریگیڈیئر (ر) کمال عالم خان نے اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان کو ایک درخواست بھیجی تھی جس میں اُس نے استدعا کی تھی کہ انہیں اِس مقدمے کی کارروائی میں فریق بنایا جائے۔ مذکورہ درخواست CMA No. 109/1997 کے طور پر درج کی گئی۔ اپنی اُس درخواست میں انہوں نے مسلح افواج کے درج ذیل افسران کے بھی نام لئے تھے جو اُن کے مطابق اس کاروائی کا حصہ تھے۔

a۔ بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر

b۔ بریگیڈیئر (ر) امن اللہ

c۔ لیفٹیننٹ کرنل (ر) اقبال سعید خان

d۔ لیفٹیننٹ کرنل (ر) اعجاز

e۔ لیفٹیننٹ کرنل (ر) میر اکبر علی خان

f۔ لیفٹیننٹ کرنل (ر) سلمان بٹ

عدالت کے فیصلے مئورخہ 24-02-1997 کے مطابق اگرچہ متذکرہ بالا افسر کو عدالت کی کارروائی اپنی مرضی کے مطابق سُننے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن جناب سلمان اکرم راجہ، فاضل ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کے مطابق انہیں عدالتی کارروائی کا حصہ بننے سے باز رکھا گیااور اب وہ انتقال کر چکے ہیں۔ مجوزہ درخواست میں بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر کا نام بھی شامل تھا۔ لہٰذا عدالت نے اپنی صوابدید پر اور مسئول الیہ نمبر 2 کی جانب سے اُن کا پتہ داخل کرنے پر اُنہیں بھی سمن جاری کئے۔ وہ عدالت کے سامنے پیش ہوئے اور انکی جانب سے جوابِ دعویٰ بھی دائر کیا گیا جس کو خفیہ کہا گیا تھا لیکن دورانِ سماعت انہوں نے کہا کہ ان کے جوابِ دعویٰ کو خفیہ دستاویز تصور نہ کیا جائے۔ آسانی کی خاطر حکم مورخہ 18-02-2012 درج ذیل ہے:

''بریگیڈیئر (ر) حامد سعید عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور انہوں نے اپنا جوابِ

دعویٰ داخل کرایاجس کے سرِ ورق پر خفیہ کے الفاظ تحریر تھے ۔ عدالت نے یہ واضح کیا کہ اُن کے جوابِ دعویٰ کے پیرا 9 سے آگے جو معلومات تھیں وہ عدالت نے ضبط کر لیں ہیں کیونکہ اس میں جو معلومات تھیں وہ رقوم کی تقسیم اور سیاست دانوں کو رقوم کی فراہمی سے متعلق تھیں۔ جو کہ پہلے ہی سے مقدمے کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ ظاہری طور پر جوابِ دعویٰ کے پیرا نمبر 1سے آٹھ تك کے مندرجات موجودہ مقدمے سے متعلق نہیں تھے۔ لہٰذا اگر وہ چاہتے ہیں تو دستاویز کو صیغہٴ راز میں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے بیان کیا کہ یا تو دستاویز کو مکمل طور پر صیغۂ راز میں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے، انہوں نے وضاحت بھی کہ اگر ان کے بیان کے پیرا 1تا 8 کا حصہ حذف کر دیا جاتا ہے تو وہ تمام مقصد اور پیغام جو وہ پیرا نمبر 9 اور اس سے آگے بیان کردہ حالات کے ذریعے عدالت کو بتانا چاہتے ہیں نہیں دیا جا سکے گا۔ پس انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُن کے جوابِ دعویٰ کو خفیہ نہ سمجھا جائے اور جوابِ دعویٰ کے سرِورق پر تحریر شدہ لفظ خفیہ کو حذف کر دیا۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ سیاست دانوں کو رقوم کی تقسیم کے بارے میں مخصوص مواقع اور تواریخ کواپنی ایك ڈائری کی مدد سے بیان کرنا چاہتے ہیں جو کہ وہ اُس وقت مرتب کر رہے تھے۔ انہوں نے وہ دستاویز عدالت کے معائنے کے لئے پیش کی‘‘۔

بریگیڈیئر (ر) حامد سعید کا مذکورہ بیان مورخہ 18-10-2012 اور ان کے ہاتھ سے تحریر شدہ ڈائری کے اقتباسات جن کے بارے میں انہوں نے مکمل ذمہ داری لی درج ذیل ہے:

1. 1990 میں، میں ڈی.آئی.خان میں آرٹیلری بریگیڈ کی کمانڈ کر رہا تھا۔ اسی سال بھارتی مقبوضہ کشمیر ملکی تحریك کی وجہ سے بھارت اور پاکستان نے بارڈرز کے علاقوں میں اپنی فوجیں تعینات کر دیں۔ میری بریگیڈ ابھی بارڈرکے علاقے میں پہنچی ہی تھی کہ مجھے ملٹری انٹیلیجنس کے علاقائی دفتر کراچی میں

حاضری دینے کے احکامات ملے۔ میں نے کارپس کمانڈر سے بات کی اور عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ میں جنگ کے دوران فوج کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے مزید دلیل دی کہ میرا کوئی انٹیلیجنس کا ماضی نہ ہے اور نہ ہی کوئی میں نے تربیت حاصل کی ہے۔ کارپس کمانڈر نے مجھے ہدایت کی کہ سندھ میں کراچی کے اندرونی سیکورٹی کی مخدوش صورت حال کی وجہ سے میری خدمات کی انتہائی ضرورت ہے۔ اس طرح میں نے اپنی نئی ڈیوٹی کے مقام پر مورخہ23 جولائی 1990 کو فرائض سنبھال لیے۔

2. اُس وقت MQM حال ہی میں حکمران سیاسی پارٹی (PPP) کی حکومت سے علیحدہ ہوئی تھی۔ PPP کے اراکین MQM کی طرف سے سیاسی دھوکہ دہی کی وجہ سے طاقت کے ذریعہ بدلہ لے رہے تھے۔ MQM نے ردّعمل کے طور پر اپنے مسلح سیاسی اراکین کے ذریعے تشدد سے جواب دیا۔ PPP، MQM ، JI اورJSM کے انتہاپسند ایك دوسرے کو سنگدلی سے قتل کر رہے تھے۔ روزانہ اموات کی تعداد 100 تا 110 تھی اور جو لاتعداد زخمی اور معذور ہو رہے تھے وہ اُن کے علاوہ تھے۔ PSF، APMSO ، IJT اورJSQM اپنے مخالفین کے انتہاپسندوں کو قیدی بنا رہے تھے اور اُن کے ساتھ غیر انسانی خوفناك سلوك کر رہے تھے جیسا کہ گھٹنوں کے جوڑوں میں ڈرل مشین کے ذریعے سوراخ کرنا، اُن کے جسم کے نازك حصوں کو بجلی کی تیز حرارت والی مشینوں سے جلانا وغیرہ۔ میں نے فوراً مسٹر طارق عظیم، ایم کیو ایم کے ڈاکٹر عمران فاروق اور سلیم شہزاد، JI کے پروفیسر غفور، JSF کے ڈاکٹر حمیدہ کھوڑہ اور مسٹر ممتاز بھٹو، JSQM کے عبدالوحید اریسر اور PPI کے مختار اعوان سے اجلاس کیے اور اُن کو سختی سے حکم دیا کہ اگر اُنہوں نے قتل و غارت، آگ لگانا اور غارت گری نہ روکی تو فوج امن کی بحالی کے لیے اقدامات اٹھانے پر مجبور ہو گی۔

3. شروع میں شریک جنگ طاقتوں نے ان غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے انکارِ کیا۔ لیکن جب اُن کے جرائم کے خلاف ناقابل تردید شہادتیں پیش کی گئیں تو اُنہوں نے ہدایت کو سنجیدگی سے لیا۔ کراچی کی سیکورٹی کے حالات پر انٹیلیجنس مداخلت کی وجہ سے واضح اثرات درج ذیل ہیں: -

الف) ایک ہفتے کے اند رقتل ہونے والوں کی تعدادمیں 110-100 سے 30-20 فی دن حیران کن کمی ہوئی۔

ب) شریک جنگ کی طرف سے قیدیوں کے تبادلے کا انتظام کیا گیا اور یہ تبادلہ کارپس ہیڈکوارٹر کراچی میں ہوا۔

4۔ تمام تر مذکورہ بالانتائج بات چیت اور مذاکرات سے حاصل کیے گیے ۔کوئی ایک گولی بھی نہ چلائی گئی کسی کو حبسِ بے جا میں نہ رکھا گیا اور معلومات حاصل کرنے کیلئے کسی پر تشد د نہ کیا گیا ۔ میرے اوالین مقصد کی اہمیت جو کہ انٹیلی جنس اور کائونٹر انٹیلی جنس آپریشن نے میری دخل اندازی کو داخلی سلامتی کے معاملات پرمزید بڑھا دیا لیکن اس وقت داخلی سلامتی زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔

5۔ اس کے فوراً بعد ہی صوبائی حکومت نے پکا قلعہ حیدرآباد میں رہائش پذیر مہاجر آبادی کے خلاف پولیس آپریشن اس دن شروع کر دیا جب وزیر اعظم ،آرمی چیف اور کراچی کور کمانڈر بیرونی دورے پر تھے۔ اور فوجی یونٹ سالانہ مشقوں پر تھے۔ اس آپریشن میں پولیس نے درجن مردوں ، عورتوں اور بچوں کو ہلاک کیا۔ اس معاملے کی اطلاع اعلیٰ فوجی قیادت کو دی گئی ۔ صدر غلام اسحاق خان نے فوج کو حکم دیا کہ وہ مداخلت کرے اور اس خون ریزی کو روکے ۔ سٹیشن کمانڈر حیدرآباد نے بقایا عملے سے 300 فوجیوں کو حفاظتی فرائض کیلئے اکٹھا کیا اور موقع پر پہنچ گئے۔ فوج کی مداخلت پر پولیس فورس پیچھے ہٹ گئی۔ وزیر اعظم بے

نظیر بھٹو نے پاکستان واپسی پر یہ اخباری بیان دیا ، کہ آرمی نے مہاجرین کو POF کاتیار شدہ اسلحہ مہیا کیا۔ پولیس نے اس اسلحہ کو برآمد کرنے کیلئے پکا قلعہ کا محاصرہ کیا۔ جب پولیس پکا قلعہ میں اسلحہ کے ذخیرہ کو پہنچنے والی تھی فوج آگئی اور اسلحہ کو فوجی گاڑیوں میں لے گئی۔ ہر بندے کو اس بیان سے حیرانگی ہوئی۔

6۔ اس نقصان کے بعد مہاجر رابطہ کمیٹی (MRC) نے ایك اخباری بیان دیا كه انہیں (مہاجرین) اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے ہندوستان کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا جا رہاہے۔ ہندوستان نے یہ کہتے ہوئے فوری ردعمل کا اظہار کیا كه مہاجرین ہندوستان کے سابقہ شہری ہیں اور ہندوستان کا فرض ہے كه ریاستی دہشت گردی اور قتل عام سے انکے تحفظ کو یقینی بنائے ۔ ایسے بیانات سابقه مشرقی پاکستان میں ہندوستان کی مداخلت یاد دلاتے ہیں ۔ جس کے نتیجے میں آخر کار ہمارا ملك دو لخت ہو گیا۔

7۔ اس سے قبل بھی وزیراعظم اس سال فوج کو یورینیم کی مقدار کو اس سطح تك جو كه بڑی طاقتوں کو قابل قبول نه تھی بڑھانے پر عوامی سطح پر تنقید کا نشانه بنا چکی تھیں۔ انہوں نے BBC کو دئیے جانے والے اپنے انٹرویو میں ہندوستان میں خالستان تحریك کے خاتمے کے سلسلے میں اپنی معاونت کا بھی ذکر کیا۔ کچھ عرصه بعد وزیراعظم نے صوبه سندھ میں انکی مرضی کے بغیر فوجی مشقیں کرنے پر فوج پر تنقیدکی۔ ISPR کو اخباری بیان کے ذریعے یه واضح کرنا پڑا كه چیف آف آرمی سٹاف کو ملك کے کسی بھی حصه میں تربیتی مشقوں کے انعقاد کیلئے قانون کے مطابق کسی کی اجازت کی ضرورت نه تھی۔ یه تمام تر واقعات پرنٹ میڈیا نے شائع کئے۔

8۔ اسی سال قومی سلامتی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حکومت نے الذوالفقار کے

کارکنان کو ریلوے PIA، کسٹم، KPT، امیگریشن ایکسائز او ر ٹیکسیشن اور دوسرے حساس اداروں میں پرکشش نوکریاں بھی دی گئیں۔ AZO کے تنظیموں نے انڈیا سے سبوتاژ، بمب بلاسٹ، قتل و غارت اور دوسرے دہشت گردانہ افعال کی باقاعدہ تربیت حاصل کی۔ ان دہشت گردوں کا ریکارڈ تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس تھا۔ اور یہ تمام معاملات ہائی کمان کے علم میں لائے گئے تھے۔

9۔ عام آدمی کا نقطہ نظریہ تھا کہ برسراقتدار پارٹی ووٹ تو حاصل کر چکی ہے۔ لیکن ملك کو چلانے کی مہم سے قاصر ہے۔ دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔ 16 اگست 1990 کو صدر غلام اسحاق خان نے آرٹیکل 58(2)(b) کا استعمال کرتے ہوئے PPP کی حکومت کو تحلیل کر دیا۔ سند ھ میں جام صادق علی وزیر اعلیٰ کے تحت عبوری حکومت قائم کی گئی۔

a۔ 12ستمبر1990 کو ڈائریکٹر جنرل M.I میجر جنرل محمد اسد درانی نے کراچی کا دورہ کیا اور مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

b۔ مختلف بینکوں میں 6 مختلف اکائونٹ کھلوائو اور ان کا حوالہ نمبر مجھے بھیج دو۔

c۔ ان اکائونٹس کی نگرانی رکھیں۔ کچھ فنڈز ان اکائونٹس میں مختلف اوقات میں جمع کروائے جائیں گے تم مجھے ان اکائونٹس کے بارے میں ہفتہ وارانہ آگاہ کرتے رہو گے۔

10۔ ان اکائونٹس کے تمام لین دین صغیہ راز میں رکھے جائیں گے۔ آپ ذاتی طور پر مجھے ان کے حساب کتاب کے جواب دہ ہونگے اور اس کے متعلق کوئی بھی اطلاع کسی غیر مختار شخص کو شیئر نہیں کریں گے۔ ان اکائونٹس کو کھولنے اور دیکھ بھال کے لئے گریڈ -I کے افسر کی خدمات استعمال کی جاسکتی ہیں۔

11۔ ان ہدایات کی اطاعت میں مختلف بنکوں میں چھ اکائونٹس کھولے گئے۔ 16 ستمبر 1990ء سے آگے تك فنڈز جانا شروع ہوگئے۔ 22 اکتوبر 1990ء تك 140 ملین

روپے ان اکائونٹس میں جمع ہوئے تھے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل رقوم DG. MI کے حکم سے بھیجیں گئیں:۔

a۔	40 ملین	جی ایچ کیو اکاؤنٹ میں۔
b۔	10.5 ملین	ریجنل آفس ایم آئی کوئٹہ کو
c۔	5 ملین	غلام مصطفیٰ جتوئی عبوری PM کو
d۔	5 ملین	مسٹر جام صادق علی عبوری CM سندھ کو
e۔	2.5 ملین	مسٹر محمد خان جونیجو کو
f۔	3 ملین	مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کو
g۔	2 ملین	مسٹر صبغت اللہ پیر صاحب پگاڑہ کو
h۔	3 ملین	مسٹر مظفر حسین شاہ کو
i۔	3 ملین	مسٹر مظفر حسین شاہ کو
j۔	0.3 ملین	مسٹر غلام علی نظامانی کو
k۔	2 ملین	مسٹر ارباب غلام رحیم کو
l۔	3 ملین	مسٹر صالح الدین (تکبیر کو
m۔	5 ملین	مسٹر یوسف ہارون کو
n۔	3, 828 ملین	سندھ رجیمینٹل کو جو آدمیوں کے رہنے والی بیریک و پوچھ گچھ کے کمرے تعمیر کرنے میں استعمال کئے گئے۔

12۔ بعد میں بقیہ رقم -/67, 628,511 روپے بشمول سود و بنك اسٹیٹ منٹس کے ساتھ GHQکو بھیجی گئی۔ میں یہ بتانا پسند کروں گا کہ میری ملٹری انٹیلی جنس ملازمت کے دوران میر ی یہ رائے تھی کے فنڈز GHQ کی طرف سے آ رہے تھے۔

13۔ 1991ء میں مجھے نیوز میڈیا کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسڑ یونس حبیب،

حبیب بینك لمیٹڈ فراڈ میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اُس موقع پر جنر ل درانی نے رابطہ کیا کہ اس کی ضمانت کروانے کا ممکنہ حل تلاش کرو۔ اس نے کہا کہ COAS نے اس کی ضمانت کروانے کی خواہش کی تھی کیونکہ وہ قومی اہمیت کے حامل کام کرنے میں مدد گار رہا تھا۔ میں نے ایسا کرنے میں نا اہلیت کا اظہار کیا کیونکہ یہ کیس زیرِ سماعت تھا۔ ستمبر 1991 ء میں مجھے M.I سے کھاریاں تعینات کر دیا گیا۔ آخر کار میں دسمبر 1994ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوگیا۔

14۔ 1994ء PPP گورنمنٹ کے دوسرے دور کے دوران ،جب جنرل درانی نے عدالت میں ایك بیان حلفی دیا تو معاملہ عوامی ہو گیا، مجھے میڈیا نیوز کے ذریعے پہلی دفعہ پتہ چلا کہ یہ فنڈز متذکرہ مسڑ یونس حبیب نے مہیا کئے تھے۔

دستخط

برگیڈئر ریٹائرڈ حامد سعید اختر

18 اکتوبر2012 ء

10۔ جہاں تک جناب یونس حبیب (مسئول الیہ نمبر 3) کے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 161 کے تحت دیا گیا بیان جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کا تعلق ہے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ اس قسم کے بیانات قانونِ شہادت آرڈر 1984ء کے تحت ثبوت کے طور پر قابلِ قبول نہیں ہیں کیونکہ اس میں جو حقائق بیان کئے جاتے ہیں وہ اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوتے جب تک کہ وہ قانون کے تحت عدالتوں میں ثابت نہ ہو جائیں۔ لیکن یہاں پر مہران بینک اسکینڈل کیس کی رپورٹ پر دارومدار کیا گیا ہے اور اُسے ریکارڈ کا حصہ بنایا گیا ہے ۔یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس معاملے میں مزید تحقیقات کی ضرورت ہے کہ 1990ء کے عام انتخابات کے دوران رقوم حبیب بینک لمیٹڈ یا اس کے بعد مہران بینک لمیٹڈ سے نکلوا کر تقسیم کی گئیں۔ کیونکہ 1990ء میں حبیب بینک موجود تھا مہران بینک نہیں جہاں سے یہ رقوم نکلوائی گئیں۔

11۔ مسئول الیہ نمبر 1 نے اپنا جواب مورخہ 23-02-1997 کو محمد اکرم شیخ سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کے ذریعے داخل کیا جس میں منجملہ اور چیزوں کے بیان کیا گیا کہ 1990 میں جب قومی اسمبلی تحلیل ہوئی تھی اور ایک

قائم مقام حکومت نوے دن میں انتخابات کرانے کی شرط کے ساتھ قائم کی گئی تھی۔ ایوانِ صدر میں ایک الیکشن سیل قائم کیا گیا تھا جو کہ براہِ راست اس وقت کے صدر (مرحوم غلام اسحاق خان) کی ہدایات پر کام کر رہا تھا اور جس کے انتظامات روائیداد خان اور جلال حیدر زیدی سنبھال رہے تھے یہ مزید بیان کیا گیا کہ 1975ء تک آئی ایس آئی انٹیلی جنس کے اقدامات اور اسٹریٹجک آپریشنل انٹیلی جنس کی ذمہ دار تھی اور مشترکہ سروس سیکرٹریٹ کے زیرِ انتظام افعال سرانجام دیتی تھی۔ 1975ء میں اس وقت کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے آئی ایس آئی کے درمیان ایک سیاسی سیل قائم کیا جس کے نتیجے میں یہ قومی اور سیاسی معاملات میں ملک کے چیف ایگزیکٹو یعنی وزیر اعظم/صدر کو جواب دہ تھی۔ ہائر ڈیفنس آرگنائزیشن کے 1976ء میں قیام کے بعد آئی ایس آئی نے ملک کے چیف ایگزیکٹو کی جانب سے دی گئی ذمہ داریوں کو سنبھالے رکھا جب کہ جوائنٹ سٹاف ہیڈ کوارٹر نے صرف انتظامی نظام سنبھالا۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ آئی ایس آئی حکومت کے چیف ایگزیکٹو کی جانب سے ہدایات پر عمل کرتے ہوئے الیکشنز کے دوران امیدواروں کی مدد کرتی تھی اور مسئول الیہ نمبر 3 کی جانب سے 1990ء میں وصول کی گئی رقم بھی چیف ایگزیکٹو کی ہدایات کا نتیجہ تھی۔ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی نے بھی انہیں مطلع کیا کہ حاصل کردہ رقوم بہتر طریقے سے استعمال ہوئی ہیں اور اُن کا درست حساب رکھا گیا ہے اور یہ کہ اس وقت کے صدر کو مسئول الیہ نمبر 1 نے اس معاملے کی بابت تمام معلومات فراہم کر دی تھیں۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ جنرل (ر) نصر اللہ بابر کا متذکرہ بالا بیان اس حد تک کہ خود ساختہ ہے کہ مورخہ 20-04-1994 کو انہوں نے نیشنل اسمبلی میں یہ بیان کیا کہ چودہ کروڑ روپے انہیں (جنرل بیگ) کو دیئے گئے جب کہ انہوں نے اپنے بیان میں واضح کیا کہ مذکورہ رقم درحقیقت سیاست دانوں اور دیگر افراد میں تقسیم کی گئی تھی انہوں نے مزید کہا کہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر جانتے تھے کہ یہ رقم مسئول الیہ کو ان کے ذاتی استعمال کے لئے نہیں دی گئی تھی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت 1990ء میں مہران بینک کا کوئی وجود نہ تھا۔ مسئول الیہ نمبر ایک کے جواب کے متعلقہ حصے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:۔

1۔ یہ کہ جواب دہ مُدعا علیہ نے کبھی بذاتِ خود یا کسی اور ذریعے سے یونس حبیب مسئول الیہ نمبر 3 سے بیان کردہ رقم نہ لی ہے۔ اور پر زور طریقے سے 20 اپریل 1994ء میں قومی اسمبلی سے اُس وقت کے وزیرِ داخلہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کے الزام کی نفی کی ہے۔ جواب دہ مُدعا علیہ نے مستعدی

سے اُن تمام الزامات کو رد کیا ہے جو ایک پریس ریلیز کے ذریعے کئے گئے جو متعدد اخبارات میں شائع ہوا۔ (Exhibit A)

" معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی رقم نہ تو جواب دہ کو دی گئی اور نہ ہی کسی فوجی اکاونٹ میں جمع ہوئی۔ **بلکہ یہ رقم آئی ایس آئی کے اکاونٹ میں یونس حبیب اور اس کے معاونین کے ذریعے خیرات کی صورت میں جمع ہوئی۔ یہ یونس حبیب نے براہ راست گورنمنٹ ایجنسی میں جمع کرائی۔جو تمام کاروباری معاملات کا پالیسی اور حکومتی طریقہ کار کے تحت مکمل تفصیلات کا ریکارڈ رکھتی ہے۔** (Exhibit A-2 Attached) روزنامہ "دی نیوز" نے 10اپریل 1994ء کو مندرجہ ذیل کہانی لکھی:

" یہ مختصراً بیان کردہ ہے کہ یونس حبیب نے اُس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف مرزا اسلم بیگ کے بیان کردہ اکاونٹ میں 140 ملین روپے جمع کرائے۔شروع میں یہ سمجھا گیا کہ یہ رقم بیگ کی تنظیم "**فرینڈز**" میں گئے ہیں۔لیکن پریس کو دیئے گئے مختصر اعلامیے میں چند دن پہلے چیف آف آرمی سٹاف نے یہ انکشاف کیا کہ درحقیقت یہ رقم خفیہ ادارے کے اکاونٹ میں گئے ہیں۔**NIUکی تحقیقات نے بیگ کے اس بیان کی تصدیق کر دی ہے جیسا کہ کہا گیا کہ رقم ملٹری انٹیلی جنس ڈائیریکٹوریٹ کے خفیہ اکاونٹ میں جمع ہوئی۔**

2۔ ستمبر کے اوائل میں، جناب یونس حبیب جو اُس وقت حبیب بنک میں زونل چیف کے طور پر کام کر رہے تھے اُنہوں نے جواب دہ مسئول الیہ کو فون کیا اور آگاہ کیا کہ وہ صدر کے انتخابی سیل سے ملنے والی ہدایات کے تحت پابند ہیں کہ 1990ء کے انتخابات میں مدد کے لئے 140 ملین روپے کا بندوبست کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ یہ رقم اپنی کوششوں سے اپنے حلقہ داروں میں سے خیرات کی صورت اکھٹی کریں اور اُن کو انتخابی سیل کی طرف سے ہدایات تھیں کہ وہ یہ رقم DG آئی ایس آئی کی صوابدید پر چھوڑ دیں جو اس کو صدر کے انتخابی سیل سے ملنے والی ہدایات کے تحت برتائیں گے۔

3۔ یہ کہ 1990ء میں جب قومی اسمبلی تحلیل ہوئی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف ہوئی۔ نگران حکومت نوے (90) دن کے اندر اندر انتخابات کرانے کے لئے قائم ہوئی۔ **اُس وقت کے**

صدر غلام اسحاق خان نے براہ راست ایک انتخابی سیل قائم کیااور جناب روئیداد خان اور جناب اجلال حیدر زیدی کواُس کے اُمور چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

4۔ جواب دہ مُسئول الیہ کے خط پر DG آئی ایس آئی نے مطلع کیا کہ ISI کے متعدد اکاونٹ ہیں اور 140 ملین روپے کی رقم براہِ راست یونس حبیب نے ان اکاونٹ میں منتقل کی۔ ISI کے DG نے اس رقم کی مختلف سیاسی جماعتوں کے سیاست دانوں میں انتخابی سیل سے موصول ہونے والی ہدایات کے تحت تقسیم کے لئے انتظامات کئے۔

5۔ یونس حبیب نے مہران بینک سکینڈل کی انکوائری کے دوران اپنے بیان میں اس حقیقت کی ازخود تصدیق کی کہ رقم مبلغ ایک صد چالیس ملین روپے الیکشن سیل کی ہدایات پر دیے گئے تھے۔ اپنے بیان میں اس نے تسلیم کیا کہ:

"**رقم مبلغ ایک صد چالیس ملین کی ملٹری انٹیلی جنس کو ادائیگی**" یونس نے ظاہر کیا کہ رقم کی ادائیگی کی منظوری حبیب بینک لمٹیڈ کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے دی اور اس سلسلہ میں بینک نے تمام قواعد کی پابندی کی ایک مبہم جواب میں اس نے کہا کہ یہ درخواست ابتدائی طور پر صدر غلام اسحاق نے کی تھی جو کہ اس کو بذریعہ جنرل بیگ بتایا گیا کہ حکومت پاکستان کو ملک میں الیکشن کے انعقاد کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔ یونس نے بیان کیا کہ رقم کی ادائیگی ،اجلال حیدر زیدی اور روئیداد خان کے مکمل علم میں تھی (منسلکہ Exhibit A-3)

6۔ فنڈز کو ملٹری انٹیلیجنس کے پاس رکھوانے کے الزامات مکمل طور پر غلط تھے۔ 1990 میں انٹر سروسز انٹیلیجنس کے حکم کے تحت سروے سیکشن 202 کے تحت کور اکاونٹ کھولا گیا۔ چونکہ سروے سیکشن 202 ،فوج کا سیاسی اور تکنیکی مقاصد کے لئے بنایا گیا یونٹ انٹر سروسز انٹیلی جنس کے تابع کام کرتا تھا جو کہ اس بارے میں کوئی بھی کام دینے کے سلسلہ میں بااختیار اتھارٹی تھی۔

7۔ سال 1975 تک انٹر سروسز انٹیلی جنس کی تنظیم تین سروسز کی ذمہ دار تھی جس میں Strategic operational intelligence، Countering intelligence اور جوائنٹ سروسز سیکرٹریٹ کے تحت امور سرانجام دینا شامل تھے۔

سال 1975ء میں سابق وزیراعظم ذوالفقارعلی بھٹو نے آئی ایس آئی کی تنظیم میں سیاسی سیل بنایا۔ جس کے نتیجہ میں ISI کو قومی اور سیاسی انٹیلی جنس کے معاملات سے متعلق چیف ایگزیکٹو یعنی کے وزیراعظم/صدر کے ماتحت کیا 1976ء میں ہائرڈیفنس آرگنائزیشن کی تخلیق کے بعد تک ISI چیف ایگزیکٹو کے ماتحت رہی جبکہ جوائنٹ سٹاف ہیڈ کوارٹر کا کام انتظامی کنٹرول برقرار رکھنا تھا یہ صورتحال 1990 میں پیدا ہوئی اور آج تک جاری ہے۔

8۔ آئی ایس آئی کی افرادی قوت تینوں سروسز ہیں جس میں فوج کا زیادہ حصہ ہے اور 7 سے 8 فیصد تک اس میں سویلین ہیں۔ اس کا سربراہ حاضر سروس آرمی آفیسر ہوتا ہے سوائے بےنظیر بھٹو کے پہلے دور کے جب لیفٹیننٹ جنرل شمس الرحمان کلو، ریٹائرڈ آفیسر، 1989ء میں ڈی جی آئی ایس تعینات کیا گیا۔ جس نے 1990ء میں بےنظیر حکومت ختم ہونے کے بعد نوکری چھوڑ دی۔ اور اگست 1990ء میں لیفٹننٹ جنرل محمد اسد دُرانی ان کی جگہ پرتعینات ہوئے۔

یہ کہا گیا کہ رقم زیرسوال مبلغ 140 ملین تھی نہ کہ پندرہ کروڑ (150 ملین) جیسا کہ درخواست میں تذکرہ کیا گیا۔ یہ حقائق کی مشکوک وضاحت ہے۔

9۔ مزید براں مہران بنک کے نام کا تذکرہ اس پٹیشن میں دوبارہ غلط حقیقت کے طور پر بیان ہوا اس بنک کا نہ تو 12.06.1996 کی اخباری خبر روزنامہ جنگ میں ذکر ہوا جو اس پٹیشن کی بنیاد بنا اور نہ اس بنک کا 1990 میں کوئی وجود تھا۔ درخواست گزار نے سپریم کورٹ میں پٹیشن فائل کرنے سے پہلے حقائق کی اصلیت جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا یہ جلد بازی والا عمل اخباری رپورٹ کی حقیقت کو جانے بغیر اس کی بدنیتی کا عکاس ہے خاص طور پر جبکہ درخواست گزار ایک سیاسی جماعت جس کا نام عوامی قیادت پارٹی ہے کا سربراہ ہے اور پٹیشن کے دائر کرنے کے وقت وہ مکمل طور پر اپنی پارٹی کو منظّم کرنے میں مشغول تھا۔

10۔ **یہ امر جوابدہ مسئول الیہ کے علم میں ہے کہ ISI سربراہِ مملکت کے حکم پر انتخابات کے امیدواروں کی مددکررہی تھی ISI کو اس رقم کا حصول بذریعہ یونس حبیب بھی بحکم سربراہِ مملکت کے حکم کی تعمیل میں تھا DG, ISI کے جوابدہ**

مسئول الیہان کو بھی بتایا کہ اس طرح جو رقم وصول ہوئی ہے اس کو مناسب انداز سے سنبھال لیا گیا ہے اور اس کا حساب کتاب بھی برقرار رکھا گیا ہے اور صدرِ پاکستان جناب غلام اسحاق خان کو بھی اس معاملے کے بارے میں مطلع کر دیا گیا ہے۔

11۔ یہ کہ DG, ISI نے جوابدہ مسئول الیہ کو اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ صدارتی انتخابی ادارے نے انتخابات کے امیدواروں کی مالی مدد کے لیے لائحہ عمل طے کر لیا ہے اور DG, ISI اُن کی طرف سے دی گئی ہدایات پر عمل کر رہا ہے اور مختلف سیاست دانوں اور شخصیات کو رقم کی ادائیگی ہو چکی ہے۔

12۔ یہ کہ نومبر 1990 کے آخر میں DG, ISI لیفٹیننٹ جنرل محمد اسد درانی نے جواب دہ مسئول الیہ کو بتایا کہ 140 ملین روپے جو کہ ISI کے کھاتے میں جمع تھے تقریباً 60 ملین انتخابی مقاصد کے حصول اور انتخابات میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کیلئے خرچ کیے گئے جبکہ باقی ماندہ 80 ملین ISI کے خصوصی کھاتے میں جمع کروا دیئے گئے۔

13۔ اس دوران جوابدہ مسئول الیہ نے بتایا کہ صدر غلام اسحاق خان کے ساتھ ایک ملاقات میں اس نے یونس حبیب کے عطیات اور DG, ISI کے اس رقم کے استعمال کے بحکم صدر صاحب کے بارے میں بتایا۔

14۔ یہ کہ 20 اپریل 1994 کو اس وقت کے وزیر داخلہ نصیراللہ بابر نے 21 اپریل 1994 روزنامہ ''**دی مسلم**'' کی خبر کے مطابق قومی اسمبلی میں انکشاف کیا کہ یونس حبیب جو کہ مہران بینک کا اعلیٰ اہلکار تھا نے غلط طور سے دو اعشاریہ دس بلین روپے غلط کھاتوں سے اکٹھے کیے۔

وزیر داخلہ نے قومی اسمبلی کو بتایا کہ یونس حبیب نے سابق آرمی چیف مرزا اسلم بیگ کو 140 ملین روپے دیے، 70 ملین مرحوم جام صادق اس وقت کے وزیر اعلیٰ سندھ 20 ملین الطاف حسین MQM کے سربراہ اور بھاری رقوم دوسرے سیاستدانوں کو دیں۔

15۔ میجر جنرل (ر) نصیراللہ بابر کی بدنیتی کی مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ معلومات ظاہر کرتے وقت، وزیرِ داخلہ نے دعویٰ کیا ان کے قبضے میں ایک کمپیوٹر ڈسکیٹ ہے جس میں یونس حبیب کے زیراہتمام فنڈز کی فراہمی کے حوالے سے مکمل معلومات شامل ہیں، لیکن مہران بینک جوڈیشل کمیشن کی کاروائی کے دوران، اس طرح کی کسی بھی ڈسکیٹ کے وجود سے مکمل طور پر انکار کر دیا۔

''یونس حبیب رہائش گاہ کی تلاشی کے دوران اور ان کے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی سلیم ستارکے قبضے سے مارچ کے آخری ہفتے میں جیل میں قید بینکر یونس حبیب کی ایک بہت اہم کمپیوٹر ڈسکیٹ اور کچھ اہم دستاویزات ایف آئی اے کی طرف سے اس سال مارچ میں قبضے میں لئے گئے لیکن وا اب ریکارڈ پر موجود نہیں،سینئر وفاقی وزارتِ داخلہ اور ایف آئی اے ذرائع نے انٹیلی جنس یونٹ (NIU)کے روبرو اس بات کی تصدیق کی کہ کمپیوٹر ڈسکیٹ میں یونس حبیب نے حبیب بینک اور مہران بینک میں مکمل فرضی اکاؤنٹس کہ ذریعے سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور ایک درجن ایف آئی اے آفیسرز میں رقم کی تقسیم کا مکمل حساب رکھا تھا۔ ایک حالیہ اقدام میں، ایف آئی اے نے عدالتی کمیشن کے سامنے کمپیوٹر ڈسکیٹ کے وجود سے انکار کا فیصلہ کیا ہے''۔ (Exhibit-D attached)

16۔ دو سال کے بعد میجر جنرل نصیراللہ بابر، سابق وزیر داخلہ نے 11جون1996بروز پیر کو اسمبلی میں ایک متضاد بیان دیا: ۔

''وزیر داخلہ نصیراللہ بابراور قومی اسمبلی نے 11جون کو بتایا ہے کہ مرزا اسلم بیگ نے مہران بینک سے 15کروڑ روپے لئے اور 1990کے انتخابات سے قبل مختلف لوگوں میں رقم تقسیم کی''۔(Exhibit-e attached)

17۔ یہ کہ مندرجہ بالا بیان گزشتہ الزام کے متضاد، کیونکہ اپنے پہلے بیان میں جو 20اپریل1994 کو قومی اسمبلی میں عائد کیا گیا ہے، انہوں نے الزام لگایا تھا کہ 140ملین کی رقم جواب دہ مسئول الیہان کو دی گئی تھی جس کو خود جواب دہ مسئول الیہان نے خرد برد کیا، جبکہ اس کے بعد قومی اسمبلی کے

فلور پر 11 جون 1996 کو دیئے گئے بیان میں یہ الزام لگایا گیا تھا کہ درحقیقت 140 ملین کی رقم سیاست دانوں اور دیگر شخصیات کے درمیان تقسیم کی گئی۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اِس حقیقت سے واقفیت رکھتے ہوئے کہ رقم جواب دہندگان کو اپنے ذاتی استعمال کے لئے نہیں دی گئی تھی اُنہوں نے کس طرح حقائق کو مسخ کیا مزید وہ اِس بات سے بھی واقف تھے کہ 1990ء میں مہران بینک کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس کا یہ عمل جانتے بوجھتے ہوئے جواب دہندگان کی شہرت کو بدنیتی کی بنیاد پر نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

18۔ متذکرہ بالا حقائق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سابق وزیر داخلہ میجر جنرل نصیراللہ بابر جو آئی ایس آئی اقدامات سے متعلقہ، سرکاری معلومات رکھتے نے ان معلومات کو ایک پارٹی کی سیاست ختم کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اس طرح اس کا یہ عمل ''**آفیشل سیکرٹس ایکٹ**'' کی خلاف ورزی ہے۔ اس طرح کرتے ہوئے اس نے دو اہم ترین اداروں فوج اور آئی ایس آئی کو بدنام کیا ہے۔

19۔ نصیراللہ بابر نے بھی جان بوجھ کر جوڈیشل کمیشن کو معلومات دینے سے انکار کیا اور کمپیوٹر ڈسکیٹ جس کی بابت اس نے قومی اسمبلی میں دعویٰ کیا تھا کہ میرے پاس موجود ہے، پیش کرنے میں ناکام رہا۔ (Exhibit-D attached)

20۔ درخواست گزار نے مندرجہ ذیل الزامات عائد کئے ہیں۔

a۔ جنرل مرزا اسلم بیگ اور لیفٹیننٹ جنرل اسد درانی کے اقدامات واضح بداعمالی میں آتے ہیں۔

b۔ دونوں ہی پاکستان کی مسلح افواج کی بدنامی کا باعث بنے۔

c۔ دونوں افواج پاکستان کے نظم وضبط کو تباہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

<u>وجوہات</u>

a۔ **<u>یہ کہ جواب دہندگان کو رقم مبلغ 140 ملین کی کاروائی سے متعلق علم تھا لیکن اس کے علاوہ رقم کی تقسیم میں ان کی شمولیت نہیں ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی رقم حاصل کی۔</u>**

b۔ **رقم مبلغ 140ملین جس کی ادائیگی یونس حبیب نے کی، براہ راست آئی ایس آئی کے اکاؤنٹ میں رکھوائی گئی جو کہ ان اکاؤنٹس کو مخصوص طریقے سے استعمال کرتی تھی۔**

c۔ کہ ڈی جی آئی ایس آئی نے صدر کے الیکشن سیل کی طرف سے موصول ہونے والے ''(**قانونی حکم**)'' پر اپنے اختیارات کے تحت عمل کیا۔ ''**قانونی حکم**'' کی تعریف اور وضاحت سیکشن 33نوٹ B(3) میں یہ ہے:۔

"A superior can give a command for the purpose of maintaining good order or suppressing a disturbance or for the execution of a military or regulation".

اور

سیکشن 33 نوٹ B(II) پاکستان آرمی ایکٹ

"A civilian cannot give a "lawful command" under this sub-section to a soldier employed under him; but it may well be the soldiers duty as such to do the act indicated"

''اِس ذیلی دفعہ کے تحت ایک سویلین اپنے ماتحت سپاہیوں کو کوئی '' قانونی حکم '' نہیں دے سکتا؛ لیکن یہ سپاہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اشارتی احکامات پر عمل کرے''

d۔ یہ کہ رقم کی ادائیگیوں سے متعلق ڈی جی آئی ایس آئی نے اکاؤنٹس کا حساب کتاب درست طور پر رکھا ہے اور کوئی بھی رقم خورد برد یا غلط استعمال نہ ہوئی۔

e۔ جوابدہندگان اور جنرل اسد درانی کے اقدامات واضح بداعمالی میں نہ آتے ہیں کیوں کہ یہ احکامات ایک قانونی حکم کے تحت جاری ہوئے۔

f۔ اس طرح سے جوابدہندہ اور جنرل اسد درانی نے افواج پاکستان کی بدنامی نہ کی ہے اور نہ ہی وہ

افواج پاکستان کے نظم وضبط کو توڑنے کے قصوروار ہیں۔

g۔ یہ کہ ائیر مارشل ریٹائرڈ محمد اصغر خان نے جوابدہندہ کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے سپریم کورٹ آف پاکستان سے ذاتی بغض اور سیاسی فائدہ کی خاطر رجوع کیا ہے عین اس وقت جبکہ جوابد ہندہ خود اپنی سیاسی پارٹی کی تنظیم میں مصروفِ عمل تھے اور بطور بنیادی سیاسی راہنما 1997 کے عام انتخابات میں حصہ لے رہے تھے۔

h۔ یہ کہ ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور اس معاملے کی مناسب طریقے سے تفتیش کرنے میں ناکام ہوا اور جلد بازی میں اس نے جوابدہندہ پر اخباری خبروں کی بنیاد پر الزامات عائد کرنا شروع کیے۔ سائل کا یہ عمل کردار کشی کے مترادف ہے اور اس نیت کے ساتھ کہ جوابدہندہ کی سیاسی شہرت کو نقصان پہنچانا۔

i۔ میجر جنرل نصیر اللہ بابر نے 20 اپریل 1994 اور 11 جون 1996 کو قومی اسمبلی میں جو انکشاف کیا تھا وہ آفیشل سیکریٹ ایکٹ کی صریحاً خلاف ورزی ہے اور ان کا یہ عمل بد نیتی پر مبنی ہے جس کا مقصد مسئول الیہان اور دوسری سیاسی جماعتوں کے ارکان کو بد نام کرنا اور ان کی سیاسی شہرت کو نقصان پہنچانا تھا جب کہ اپنی جماعت کے سیاستدانوں کے نام جان بوجھ کر ظاہر نہ کیے گئے۔ (خط کشیدہ حصہ اہم ہے)

مذکورہ بالا جواب کے کچھ اختتامی پیراگراف چونکہ غیر ضروری تھے اس لئے یہاں پر درج نہیں کئے گئے۔

12۔ مئورخہ 11-06-1997 کو مسئول الیہ نمبر 1 کی جانب سے دائر کردہ جواب کے ردِعمل کے طور پر درخواست دہندہ نے اپنے تحفظات پیش کئے جو کہ درج ذیل ہیں۔

مدعا علیہ کے جواب پر درخواست گزار کے تحفظات:۔

عرض پرداز:

1۔ یہ کہ اس وقت چیف آف آرمی سٹاف ہوتے ہوئے مسئول الیہ نے براہ راست قومی رقم کی تقسیم اور اس کا سیاسی مقصد میں غلط استعمال کر کے پاکستانی شہریوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے۔ مزید یہ کہ فوج کو سیاست میں ملوث کر کے مدعا علیہ نے مسلح افواج کے حوصلے اور لڑنے کی استعداد کو بری طرح متاثر کیا، اس کی دفاعی صلاحیت کو کم کیا، ملکی سلامتی کو بری طرح متاثر کیا اور اس طرح ایسے

حالات پیدا کئے جنہوں نے ان کے انسانی اور بنیادی حقوق سلب کیے۔

2۔ یہ کہ درخواست گزار کا اس معاملے کو عدالت کے سامنے لانے کا مقصد ایک ایسے فیصلے کا حصول ہے جو دوسرں کے لئے ایک مثال قائم کرے اور مسلح افواج کی دفاعی استعداد کار اور نظم و ضبط کو بہتر بنا سکے۔ یہ ان کے عزم کے لئے بھی سود مند ثابت ہو گا۔

3۔ یہ کہ مدعا علیہ کے جواب کا پیرا نمبر 4، 1973ء کے آئین کے آرٹیکل 199 کی ذیلی شق 3 سے متعلق ہے جو فوجی قانون کے تحت ایک شخص کی نوکری کی شرائط سے متعلق ہے اور اس مقدمے سے متعلق نہ ہے۔

4۔ مدعی نے اپنے خط کی نقل فوج کے سربراہ کو صرف اطلاع کے لئے بھیجی۔ جیسا کہ مسئول الیہ نے کہا کہ فوج کا سربراہ ان الزامات کو دیکھنے اور ان پر ایکشن لینے کے لئے نہ تو موزوں شخص ہے اور نہ مجاز اتھارٹی۔ چونکہ مدعا علیہ اس وقت فوج کا سربراہ تھا اور اس عہدے پر موجود موجودہ شخص اس کا ماتحت تھا اس لئے یہ موزوں ہو گا کہ یہ مقدمہ اس عدالت کی طرف سے سنا جائے۔

5۔ اس مسئول الیہ نے اپنے جواب کے پیرا گراف نمبر 6 میں کہا کہ فنڈز آئی ایس آئی کے پاس جمع کروائے گئے جس سے سیکرٹری وزارتِ دفاع نے انکار کیا۔ مسئول الیہ نے مزید بیان کیا کہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی کا رقم لینا اور مختلف لوگوں میں تقسیم کرنا (مسئول الیہ کے جواب کا پیرا گراف نمبر 12) ان کے علم میں تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی گو کہ ایک ادارے کا سربراہ تھا جو کہ مسئول الیہ کے مطابق ''چیف ایگزیکٹو'' کے ماتحت تھا۔ ایک فوج کے افسر کے طور پر فوجی قانون اور ضابطہ کے مطابق کام کر رہا تھا۔ لہذا اس کا طرزِ عمل فوج کے سربراہ کے لئے باعثِ تشویش ہونا چاہیئے تھا سب کچھ جاننا اور اس پر ایکشن نہ لینا از خود جرم کا ساتھ دینا ہوتا ہے ۔ پھر بھی مسئول الیہ نے اپنے جواب کے پیرا گراف نمبر 17 میں بیان کیا کہ وہ رقم اسے ذاتی استعمال کے لئے نہیں دی گئی تھی۔ یہ اعتراف ہے کہ اس نے رقم وصول کی۔

6۔ مسئول الیہ نے اپنے جواب کے پیرا گراف نمبر 21(c) اور 21(e) میں بیان کیا کہ فنڈ اکھٹے کرنے اور تقسیم کرنے کے حکم پر عمل درآمد ایک قانونی حکم کے تحت کیا گیا۔ پاکستان آرمی ایکٹ کے سیکشن 33

نوٹ B(3) جس کا مسئول الیہ نے اپنے جواب میں حوالہ دیا اس کی تشریح غلط ہے۔ یہ افراتفری کو ختم کرنے کے حوالے سے ہے اور سیکشن 33 نوٹ g(11) جس کا مسئول الیہ نے اپنے جواب کے اسی پیراگراف میں حوالہ دیا جو کہ پیراگراف 21(c) ہے وہ بھی غیر متعلقہ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ ''ایک شہری اس سب سیکشن کے تحت ایک فوجی جو اس کے ماتحت کام کر رہا ہو، کو قانونی حکم نہیں دے سکتا۔ لیکن یہ ایک فوجی کا کام ہے کہ جو اس کو ذمہ داری دی جائے اسے بخوبی سرانجام دے''۔

۔ فوجی قانون کے تحت ایک شخص سے صرف قانونی احکام کی تعمیل درکار ہوتی ہے اور درحقیقت یہ اس پر فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی غیر قانونی حکم کی تعمیل نہ کرے۔ کیا قانونی ہے اور کیا غیر قانونی اسے ثابت کرنے کی ذمہ داری اس فرد پر ہوتی ہے حالیہ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جہاں فوجیوں کو غیر قانونی احکامات کی بجا آوری پر سزا دی گئی۔ نیومبرگ ٹرائل میں یہ فیصلہ کیا گیا، جہاں دوسری عالمی جنگ میں جرمن فوجیوں نے یہودیوں کا قتل کیا تھا، ایسی ہی دلیل دی گئی تھی جیسی مسئول الیہ نے دی ہے کہ جو کچھ بھی کیا گیا وہ ایک قانونی فرمان کے جواب میں کیا گیا۔ نیومبرگ ٹرائل میں قتل کے ملزم جرمن فوجیوں نے یہی دلیل دی تھی کہ انہوں نے صرف اپنے اعلیٰ افسران کے حکم کی بجا آوری کی تھی۔ عدالت نے ان لوگوں کو سزائے موت سنائی تھی جنہوں نے ان غیر قانونی احکامات کی بجا آوری کی تھی۔

8۔ میرے اپنے معاملے میں جب میں 1942 کے مارشل لاء اور ''خُـر فسـادات'' کے دوران جب میری نوکری بمشکل دو سال تھی اور میں سندھ حیدر آباد میں تعینات تھا، مجھے میجر جنرل رچرڈسن جو کہ سندھ کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے، نے حکم دیا کہ میں طیارہ اور مشین گن کے ساتھ پیر پگارا کے قافلے، جو سانگھڑ کے مشرق کی طرف جا رہا تھا، کی طرف جاؤں، میں نے حکم کے مطابق چار طیاروں کے ساتھ پرواز کی لیکن جب میں نے دیکھا کہ اونٹوں کا قافلہ غیر مسلح مردوں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل ہے تو میں نے ان احکامات کی بجا آوری سے انکار کر دیا اور کوئی گولی چلائے بغیر واپس آ گیا۔ جب اس جنرل، جو ہوائی اڈے پر ہماری واپسی کا منتظر تھا، نے مجھ سے وضاحت مانگی تو میں نے اسے بتایا کہ غیر مسلح شہریوں پر حملہ کرنا ایک قانونی حکم نہیں تھا اور مجھے اس کی تعمیل نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اس کے بعد جو ہوا وہ اس مقدمے سے متعلقہ نہیں ہے۔

9۔ میں نے اپنے پورے سیاسی کیریئر میں اس فلسفے پر عمل کیا اور پولیس سے کہا کہ وہ صرف قانونی احکامات کی تعمیل کرے مجھے بہت سے موقعوں پر غیر قانونی طور پر روکا گیا اور سینکڑوں میل دور ہٹایا گیا۔ایک موقع پر مرحوم میاں محمود علی قصوری، بار۔ ایٹ ۔لاء، ایم انور، بار۔ ایٹ۔ لاء، مس رابعہ قاری کے ساتھ مجھے لاہور ہائی کورٹ کے قریب فین روڈ پر چلنے سے غیر قانونی طور پر روکا گیا۔ ہم نے اس غیر قانونی حکم پر مزاحمت کی اور پولیس افسران کو بتایا کہ ان کے احکامات غیر قانونی ہیں اور چونکہ ہم کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کر رہے تو پولیس فورس پر فرض ہے کہ ان احکامات کی بجا آوری نہ کرے۔

10۔ نواب احمد خان قتل کیس میں چار پولیس والوں کو غیر قانونی احکامات کی بجا آوری کے نتیجے میں سزائے موت سنائی گئی۔ حال ہی میں ٹنڈو بہاول کیس میں ایک میجر کو غیر قانونی احکامات جاری کرنے پر سزائے موت دی گئی اور فوجی جوانوں کو اعلیٰ افسران کے غیر قانونی احکامات ماننے پر لمبی سزائیں دی گئیں۔

11۔ میری یہ گزارش ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف کو مثال بننا چاہیئے اور صرف قانونی احکامات جاری کرنے چاہئیں۔ اور انہیں اس بات کو بھی یقینی بنانا چاہیئے کہ فوجی قانون کے حوالے سے بھی ایسا ہو۔

12۔ مسئول الیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے ذاتی رنجش اور بد دیانتی کی بناء پر یہ کام کیا ہے۔ میری مسئول الیہ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے۔ اور اس عدالت کے سامنے مقدمہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ صرف مسلح افواج کے لئے ایک مثال قائم کی جا سکے تا کہ مستقبل میں وہ اپنے بنیادی کام پر توجہ دے سکیں۔ غیر قانونی احکامات کی تعمیل نہ کریں اور خود کو سیاست میں ملوث نہ کریں جو انسانی حقوق اور قومی سلامتی سے انحراف ہے۔

-Sd.-

(M. Asghar Khan)

11.06.1997

PETITIONER"

مسئول الیہ نمبر 2 نے مورخہ 31-10-1997 کا ایک حلف نامہ داخل کیا جس کے مندرجات درج ذیل ہیں:۔

"AFFIDAVIT OF LT. GEN. (R) M. ASAD DURRANI

مسئول الیہ نمبر 2 نے بتاریخ 31-10-1997 کو اپنا بیان حلفی عدالت میں داخل کیا جو درج ذیل ہے۔

بیان حلفی لیفٹننٹ جنرل (ر) ایم اسد درانی۔

میں لیفٹیٹ جنرل (ر) اسد درانی ولدیت دوست محمد درانی (مرحوم)سکنہ E-189گلریز II چکلالہ راولپنڈی حلفا اس بات کا اقرار کرتا ہوں

(۱) اپریل 1994میں جنرل (ر)مرزا اسلم بیگ کی طرف سے ایك پریس ریلیز جاری ہوئی كه یونس حبیب اور اسکے رفقاء نے 14 کروڑ روپے عطیه کیا ہے اور جناب حبیب نے ا س رقم کو گورنمنٹ ایجنسی کے اکائونٹ میں جمع کرادیا ہے بعد میں یه بات پریس میں کہی گئی كه 1990کے الیکشن سے پہلے ISI نے اس عطیه کرده رقم میں سے 6 کروڑ روپے سیاسی مقاصد کی مدمیں خرچ کر دیئے ہیں اور بقا یا رقم ایك خصوصی فنڈ میں جمع کردی گئی ہے اس وقت میں ISI ڈائریکٹر جنرل تھا بعد میں جنرل بیگ نے مجھے یه یقین دہائی کرائی كه یه بیانات دیئے گئے ہیں۔

(2) مئی 1994 میں جرمنی کے سفیر کے طور پر اپنی ذ مه داریاں سنبھالیں ۔ جون 1994 کے شروع میں مجھ سے وزیر داخله میجر جنرل بیگ کے بیانا ت کو جاچنے کیلئے ایك انکوائری کمیشن بنا دیا گیا ہے۔اس نے مزید بتایا كه اس نے جنرل عبدلوحید جو اس وقت چیف آف آرمی سٹاف تھے ان سے بھی اس معامله پر بات چیت کی ہے جس نے JAG سے مشاورت کے بعدفوج کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ جنرل بابر نے بتایا کے FIA کا ایك ڈائریکٹراس سلسلے میں اسکا بیان لینے آ رہا ہے۔

(3) 6 جون 1994 جناب رحمن ملك جو FIA میں ایك ڈائریکٹر تھا مجھ سے بون میں رابطه کیا اور مجھے DG FIA کا ایك خط حوالے کیا جس میںضروری

تفصیلات کے بارے میں پوچھا گیا تھا میں نے جنرل بابر سے بات کی اور بتایاکہ یہ معاملہ خاص حساسیت رکھتاہے اور اس نے تجویز کیا کہ میں اس سلسلے میں ایك رازدارنہ بیان وزیراعظم کوپہنچادوں ، میں نے اتفاق کیا۔

(4) میں نے اپنی تحریر میں صرف وزیراعظم کیلئے ایك خط لکھا جس میں معلومات دے دی ہیں۔اور میں نے اس میں‌یہ لکھا کہ اسکے اثرات میرے نزدیك بہت حساس نوعیت کے ہیں اور درخواست کی کہ اس معاملہ کو احتیاط سے نمٹایا جائے ۔ جناب رحمٰن ملك چند ہفتوں بعد واپس جرمنی آئے۔ میرے بیان کو عدالتی کا غذ پر ٹائپ کیا گیا اور کمیشن کے غور کیلئے اس پر دستخط کرنے کا کہاگیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ سب کچھ وزیراعظم کی منظوری سے ہو رہا ہے اور اس معاملے کو خفیہ طریقے سے سر انجام دیا جائیگا۔جناب رحمٰن ملك ڈاریکٹر FIA کے مرتب شدہ بیان پر میں نے دستخط کیئے۔

(5) مزیداگلے دوسال اس معاملہ بارے میں‌نے کچھ نہ سنا آخر پریس میں یہ بات رپورٹ ہوگئی کہ وزیر داخلہ نصیراللہ خان بابر نے قومی اسمبلی میں‌بیان دیا ہے جس میں میرئے حلف نامہ کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ میں نے ان کو دیا تھا۔

(6) وہ بیان جناب رحمٰن ملك نے مجھ سے خاص حالات کے تناظر میں یہ یقین دہائی کرانے کے بعد لیا تھا کہ یہ معاملہ رازداری سے نمٹایا جایگا۔میں نہیں جانتا کہ اس وقت کہ وزیر داخلہ نے کن تناظر میں قومی اسمبلی میں یہ بیان دیا ۔میں اسکی نیت بارے علم نہیں رکھتا وہ یہ بہتر جانتا ہے۔

(7) بیان حلفی پر میرے دستخط اس لئیے حاصل کئے گئے کہ یہ صرف خاص مقاصد کیلئے استعمال ہوگا۔ میں یہ تصدیق کرتے ہوئے کہ ہر معاملہ خفیہ طریقے سے سلجھایا جائے لہٰذاعدالت عظمٰی سے میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں کھلی عدالت میں اس حلف نامہ کے مندرجات پر رائے دینے سے قاصر ہوں کیو نکہ میں

آفس کے رازداری قانون کی وجہ سے پابندہوں۔ یقیناً میں آپ کے سوالات کے جوابات دینے کیلئے تیار ہوں آپکے چیمبر یا ان کیمرہ کاروائی کے دوران۔

(8) میں نومبر 1997 کے پہلے ہفتہ میں ایک سمینار میں شرکت کے لیئے جا رہا ہوں جوبہت پہلے سے طے شدہ ہے اور میں ذاتی طور پر کاروائی میں حاظرہونے سے قاصر ہوں۔ میں 16 نومبر 1997 کو واپس آؤنگا۔ اس حلف نامہ کے مندراجات میرے علم و یقین کے مطابق صحیح اور درست ہیں کچھ غلط بیانی نہیں کی اور نہ ہی کچھ مخفی رکھا ہے جو قانونی تقاضے کے مطابق ہے۔

دستخط

Sd/-

لیفٹیننٹ جنرل (ر) محمد اسد درانی

اسلام آباد

Deponent

31.10.1997

13۔ مسئول الیہ نمبر 1 نے ایک CMA No. 1006/2012 داخل کی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ مہران بینک اسکینڈل اور حبیب بینک کے لئے انکوائری کمیشن جو کہ عدالتِ عظمیٰ کے ججز پر مشتمل تھے تشکیل دیئے گئے تھے مگر آج تک کے اُن کمیشنز کی رپورٹ کو منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ انہوں نے استدعا کی کہ وفاق، فاضل اٹارنی جنرل اور رجسٹرار کو مناسب ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ کیمرے کے سامنے ریکارڈ شدہ بیانات اور اُن دو انکوائری کمیشنز کی رپورٹ تک مسئول الیہ نمبر 1 کو رسائی دی جائے تا کہ وہ اس یقین دہانی کے ساتھ کہ وہ اس عوامی راز کو افشاء کئے بغیر اپنے مقدمے کا بہتر طریقے سے دفاع کر سکیں۔ مسئول الیہ کی استدعا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاضل اٹارنی جنرل کو مذکورہ رپورٹس کی کاپی پیش کرنے کی ہدایات جاری کر دی گئی تھیں۔

14۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وفاقی حکومت نے الزامات کا نوٹس لیتے ہوئے SRO نمبر 617(1)1994 مورخہ 17-06-1994 کے ذریعے قانون برائے پاکستان کمیشن آف انکوائری مجریہ 1956

کے تحت مہران بینک کے معاملات کی تحقیقات کے لئے ایک انکوائری کمیشن تشکیل دیا تھا۔ جو کہ مندرجہ ذیل افراد پر مبنی تھا۔

1۔ جناب جسٹس عبدالقدیر چوہدری، جج، سپریم کورٹ آف پاکستان

2۔ جناب جسٹس ضیاء محمود مرزا، جج، سپریم کورٹ آف پاکستان

3۔ جناب جسٹس (ر) زیڈ اے چنا، سابقہ جج، سندھ ہائی کورٹ

4۔ جناب جسٹس نذیر احمد بھٹی، جج، فیڈرل شریعت کورٹ اور

5۔ جناب جسٹس قاضی محمد فاروق، جج، پشاور ہائی کورٹ

15۔ کمیشن نے اپنا کام مکمل کر کے رپورٹ پیش کر دی تھی مگر بدقسمتی سے عدالت کی جانب سے ہدایات جاری کرنے کے باوجود رپورٹ دستیاب نہیں ہوئی۔ تاہم اسی دوران حامد میر جو کہ ایک مشہور صحافی اور اینکر پرسن ہیں اور ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل (جیو ٹی وی) کے ساتھ منسلک ہیں نے اس رپورٹ کی کاپی درخواست گزار کے فاضل وکیل جناب سلمان اکرم راجہ کے حوالے کی۔ اور عدالت میں بھی عدالت کے جائزے کے لئے پیش کی۔ ہم نے کوشش کی کہ ہم وزارتِ قانون سے اس کی صداقت کی تصدیق کروا لیں لیکن وزارتِ قانون نے ایسا نہ کیا کیونکہ اُن کے مطابق اس رپورٹ کی اصل دستاویز دستیاب نہ تھی۔ حبیب بینک اسکینڈل جس کے تحت چودہ کروڑ روپے کی رقم مسئول الیہ نمبر 3 کی جانب سے نکلوا کر 1990ء میں الیکشن سے پہلے ایوانِ صدر میں قائم شدہ الیکشن سیل کے حوالے کی گئی تھی تا کہ کچھ حمایت یافتہ امیدواروں کو الیکشن میں کامیاب کرانے کے لئے اُن کو مالی مدد فراہم کی جائے، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حبیب بینک کے اسکینڈل کی تحقیق کے لئے تشکیل دیا گیا کمیشن کی سربراہی جناب جسٹس محمد الیاس خان کر رہے تھے جنہوں نے ایک جزوقتی رپورٹ مورخہ 22-04-1997 کو پیش کی۔ مذکورہ رپورٹ میں درج تھا کہ جناب جسٹس محمد منیر خان اس کمیشن کے چیئرمین کا تقرر در اصل وفاقی حکومت کی جانب سے کیا گیا تھا جب کہ جناب جسٹس راجہ عبدالعزیز بھٹی، جج، لاہور ہائی کورٹ اور جناب جسٹس سردار محمد رضا خان، جج، پشاور ہائی کورٹ اس کے ممبران تھے۔ کمیشن کے ممبران کے تقرر کا دورانیہ وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتا رہا اور اصل کمیشن نے تقریباً ایک سال کا عرصہ تحقیقات کیں اور جناب جسٹس محمد منیر خان کی وفات کے بعد کمیشن کو مورخہ 29-01-1997 کو دوبارہ تشکیل دیا گیا جب جناب جسٹس محمد الیاس (سابقہ جج سپریم کورٹ) کو

بطور چیئرمین اور جناب جسٹس جاوید نواز گنڈاپور اور جناب جسٹس فقیر محمد کھوکھر کو بطور ممبران مقرر کیا گیا۔ کمیشن نے وزارتِ قانون کے سیکرٹری سے تحقیق کی کہ کیا نئے تقرر شدہ کمیشن کو تحقیقات نئے سرے سے شروع کرنی چاہئیے یا موجودہ تحقیقات جو حقیقی کمیشن نے کی ہیں کو آگے لے کے بڑھنا چاہئیے۔ جو کچھ بھی ہو کمیشن نے اپنی رپورٹ مکمل نہیں کی جیسا کہ رپورٹ مورخہ 17-05-2012 سے واضح ہے جو کہ وزارتِ قانون اور انصاف نے CMA NO. 2096/2012 کے تحت عدالت میں داخل کی جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہران بینک کے معاملے میں کمیشن کی رپورٹ دستیاب نہ ہے اور جہاں تک حبیب بینک اسکینڈل کا تعلق ہے یہ عرض ہے کہ جناب جسٹس (ر) محمد الیاس جو کہ حبیب بینک لمیٹڈ انکوائری کمیشن کے چیئرمین تھے نے بروئے مراسلہ مورخہ 22-04-1997 صرف ایک جزو وقتی رپورٹ بھیجی تھی اور اپنی حتمی رپورٹ وزارتِ قانون کو نہیں بھیجی۔ جزو وقتی رپورٹ کی ایک کاپی مذکورہ درخواست کے لف ہے۔ لہذا بروئے حکم مورخہ 17-05-2012 حبیب بینک لمیٹڈ کے صدر کو ہدایت دی گئی کہ وہ بذاتِ خود عدالت کے سامنے پیش ہوں اور متعلقہ تفصیلات جن میں حبیب بینک لمیٹڈ کے اس وقت کے نائب صدر اور مسئول الیہ نمبر 3 کی ہدایات پر رقوم کا نکالنا دکھایا گیا ہو اور عدالت کی معاونت کے لئے اگر کوئی دوسری معلومات دستیاب ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ رقوم جیسا کہ الزام عائد کیا گیا ہے جائز طریقہ کار اختیار کئے بغیر نکالی گئی تھیں۔ اسی طرح گورنر سٹیٹ بنک کو بھی ہدایت دی گئی کہ وہ بھی اس معاملے کا جائزہ لیں اور اگر ان کے پاس اس سے متعلقہ کوئی معلومات موجود ہیں تو وہ بھی عدالت کے روبرو پیش کی جائیں۔ جس کے جواب میں CMAs No. 2372/2012 اور 2373/2012 کے ذریعے حبیب بنک لمیٹڈ کی جانب سے انکوائری کمیشن کے سیکریٹری کے روبرو داخل کردہ جواب کی نقل جو کہ دو حصوں پر مشتمل تھا داخل کیا گیا تھا اور اِسی طرح گورنر اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے بھی CMA no. 2374/2012 کے ذریعے کچھ متعلقہ دستاویزات کے ہمراہ اپنا بیان داخل کیا۔

16۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حبیب بنک لمیٹڈ HBL نے اپنے جواب میں بنک میں مسئول الیہہ نمبر 3 کی ہدایات پر چودہ کروڑ روپے جمع کرائے جانے اور نکلوائے جانے کی تائید کی اسی طرح سے گورنر اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے اپنے بیان مئورخہ 01/06/2012 میں تصدیق کی کہ ''حبیب بینک لمیٹڈ کی جانب سے جمع کروائی گئی رپورٹس یونس حبیب کی ہدایت پر چودہ کروڑ روپے کے جمع کروائے جانے اور نکلوانے کے معاملے کو ظاہر کرتی

ہیں لہٰذا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''حبیب بینک لمیٹیڈ کی جانب سے جاری کردہ رپورٹ درست ہے'' رقوم کے جمع کروائے جانے اور نکلوائے جانے کی حقیقت کی تصدیق بر گیڈیئر (ر) حامد سعید اختر نے اپنی متذکرہ خفیہ (Non Confidential) رپورٹ میں بھی کی اس تصدیق کے علاوہ مسئول الیہہ نمبر 2 نے بھی اپنے بیانِ حلفی میں اس کی تصدیق کی۔

17۔ اس معاملے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ CMA 785/97 مئورخہ 22-10-1997 جو کہ جناب اختر علی چوہدری ایڈووکیٹ آن ریکارڈ وزارتِ قانون کی جانب سے دائر کی اور جس میں استدعا کی گئی تھی کہ اس مقدمہ کی سماعت ''ان کیمرہ'' کی جائے میں اس طرح بیان کیا گیا:

"3۔ ائر مارشل ریٹائرڈ محمد اصغر خان کے درخواست میں یہ الزام لگا یا جا چکا ہے کہ کچھ رقم ISI نے جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ کو دی تھی۔ لیفٹننٹ جنرل ریٹائرڈ اسد درانی سابقہ ڈائریکٹر جنرل ISI کا ایک حلفیہ بیان مثل/ریکارڈ پر لایا گیا ہے جس میں سابقہ چیف آف آرمی سٹاف (COAS) اور دوسروں کو, ستمبر/اکتوبر 1990ء کے انتخابی مہم کے چندہ کے لئے رقوم تقسیم کیں تھیں۔ اس حقیقت کو سیکریڑی وزارت دفاع حکومت پاکستان نے اٹارنی جنرل آف پاکستان کو اپنے لکھے مراسلہ مورخہ 25.06.97 میں ماننے سے انکار کیا تھا۔ تاہم اس حقیقت یا الزامات کے باوجود، اگر کاروائی عام عدالت میں کرتے ہیں ۔ شاید یہ قومی مفاد میں نہ ہو اور ساتھ ساتھ ملک کے انتہائی حساس ادارے کے مفاد میں نہ ہو، لہٰذا اس عدالت سے ان کیمرہ عدالتی کاروائی کرنے کی استدعا کی جاتی ہے۔

مسئول الیہ نمبر 1 نے اپنے وکیل کے ذریعے اس درخواست کا جواب دائر کرتے ہوئے اِس استدعا کی سخت مخالفت کی اور زور دیا کہ:

"2۔ شق نمبر 2 غلط ہے فاضل عدالت انٹر سروسز انٹیلی جنس بیورو کے کارکردگی کے متعلق کو ئی کاروائی نہیں کر رہی۔ فاضل عدالت صرف اس ادارے کے پاس سیاسی سیل کو دیکھ رہی ہے جو سابقہ وزیر اعظم پاکستان جناب ذولفقار

علی بھٹو نے 1975ء میں ایک ایگزیکٹو حکم کے ذریعے قائم کیا تھا۔ پریس رپورٹس کے مطابق، اس سیاسی سیل نے مبینہ طور پر آئین کے آرٹیکل 17 کے تحت لوگوں کے حقِ تنظیم سازی Form of Association کو خراب کیا تھا۔ اور مبینہ طور پر ملک کے شہریوں کے خواہش /چنائوکو ناموس کیا ۔ اس لئے یہ ملک کے دفاعی مفاد میں ہے کہ سیاسی سیل کو باقی ادارے سے مختلف اور علیحدہ سمجھا جائے۔ تاکہ ملک کے سیاسی عمل کو ان گندے اور غیر صحت مندانہ عوامل سے چھٹکارا حاصل ہو۔ ISI کی کارگردکی /کام بالکل بھی اس فاضل عدالت کے سامنے نہیں ہے۔ نہ یہ مضمون تفتیش ہے فاضل عدالت عظمیٰ کے سامنے غور کے لئے صرف ایک سوال ہے کہ آیا پاکستان کے 130 ملین آبادی کی ملکیت اور بنکوں میں جمع شدہ عوامی رقوم کوانتخابات کے دوران عوام کے خواہشِ چنائو کو خراب کرنے کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ اس کو کسی بھی تصوارتی یا اصطلاحی وسعت میں قومی دفاعی معاملات کے حدود میں شامل نہیں کیا جا سکتا ۔ لہذا پیر گراف نمبر 2 میں اٹھایا ہوا سوال ، عدالت کے سامنے موضوعِ تفتیش نقطے کو غیر جامع اور یقینی شبہ والا بناتا ہے۔

3۔شق نمبر 3 کے نکات بالکل غلط ہیں اور اس طرح انکاری ہیں۔

ائر مارشل ریٹارئرڈ ایم اصغر خان کا مراسلہ (جس کو اس فاضل عدالت نے ایک درخواست کے طور پر لیا) میں کبھی بھی مسئول الیہ پر رقم کی تقسیم کا الزام نہیں لگا۔حتی کہ لیفیٹنٹ جنرل ریٹائرڈ ایم اسد درانی کا مبینہ بیان حلفی بھی مثل/ریکارڈ کا حصہ نہیں ہے باوجودِ دفاع جو حکومتِ پاکستان نے لی ہے، تذکرہ بالا معاملات میں کسی نقطے کا تعلق ملکی دفاع سے نہ ہے ۔عدالتی کاروائی ان کیمرہ ہو ! کیونکہ ایسی عدالتی کاروائی شکوک وشبہات اور عدم اعتمادی کو جنم دیتی ہے ۔ سیاست کے لئے شخصیات کو رقوم کی تقسیم مسئلہ کو حساس نہیں بناتا یا ملکی دفاع کے متعلق نہیں ہے؟اگر عدالتی کاروائی کے کسی مرحلہ پر یہ سامنے آتا ہے کہ کوئی نقطہ سوال ،ملکی دفاع یا ISI کے کارکردگی/کام (جو اس کے ملکی دفاعی معاملات کے متعلق ہو،) اُٹھے تو اس خاص مرحلہ کے ساتھ علیحدہ سلوک کیا جائے گا تاہم ان کیمرہ

عدالتی کاروائی کی استدعا یک طرفہ خواہش ہے جو تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

18۔ مسئول الیہہ نمبر1 کی جانب سے داخل کردہ مندجہ بالا جواب کی روشنی میں انکا بیان بر حلف مئورخہ 16-06-1992 کو کھلی عدالت میں ریکارڈ کیا گیا جس میں انہوں نے اپنے جواب کے مندرجات کی توثیق کی اور بیان کیا کہ آئی ایس آئی کی تشکیل حکومت پاکستان نے کی جو کہ 1975ء تک اپنے افعال کیلئے براہِ راست JCS کو جوابدہ تھی۔1975 میں اس وقت کے وزیرِ اعظم پاکستان نے ایک انتظامی حکم کے ذریعے آئی ایس آئی کے مابین ایک سیاسی سیل قائم کیا اور اس انتظامی تبدیلی کی بناء پر آئی ایس آئی کے افعال براہِ راست چیف ایگزیکٹو کے زیرِ اختیار بالخصوص سیاسی معاملات، اور باقی تمام مسلح افواج اور سیکیورٹی کی بابت معاملات میں آئی ایس آئی جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کو جوابدہ ہوتی تھی ان کے مطابق یہ صورتحال 16-06-1972 تک جاری رہی تھی انہوں نے مزید وضاحت کی کہ آئی ایس آئی واقعی طور پر دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی جن میں سے ایک سیاسی حصہ اور دوسری جزو وہ تھا جو مسلح افواج سے متعلق سٹریٹیجک معاملات سے تعلق رکھتا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں آئی ایس آئی تمام معاملات میں صدر کو جوابدہ تھی جو کہ بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور بطور صدرِ پاکستان تمام انتظام و انصرام سنبھالے ہوئے تھا۔ انہوں نے مزید وضاحت کی کہ 1988 کے انتخابات کے بعد آئی ایس آئی آرمی کے زیرِ اثر نہ تھی اور اُس وقت سے باطنی طور پر آئی ایس آئی ملک کے چیف ایگزیکٹو کے زیرِ اختیار ہے جبکہ دوسرے افعال کیلئے وہ JCSC کو جوابدہ ہے۔ 1990ء میں جب مسئول الیہہ نمبر 3 کی جانب سے رقم دی گئی تو اس وقت آئی ایس آئی ملک کی اعلیٰ اتھارٹیز کے زیرِ عمل تھی۔ بطور چیف آف آرمی سٹاف جب اُنہیں رقم کے متعلق آگاہ کیا گیا تو انکا بس یہی اصرار تھا کہ آئی ایس آئی کو موصول شدہ رقم کو درست طریقے سے استعمال کیا جائے اور اس مقصد کیلئے ایک اکاؤنٹ بھی کھولا جائے ان کو خود اس رقم میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بعد ازاں دورانِ کاروائی درخواست گزار کے وکیل کی جانب سے پوچھے جانے والے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بیان دیا جو کہ درجِ ذیل ہے:

''اگرچہ آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل وردی میں موجود ایك افسر ہوتا ہے لیکن چیف آف آرمی سٹاف کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا كه وہ اس کے خلاف کوئی کاروائی کرے۔ آئی ایس آئی کا سربراہ آرمی کا ہی ایك فرد تھا جس کا سربراہ اس

وقت میں خود تھا‘‘

19۔ مئورخہ 24-02-1992 کو وزارتِ دفاع نے عدالت میں ایک خط مئورخہ 22-02-1992 داخل کیا جس میں کہا گیا تھا کہ آئی ایس آئی کی جانب سے مہیا کردہ معلومات کے مطابق اس نے 1990ء کے ستمبر اور اکتوبر کے دوران کوئی رقم وصول نہ کی تھی لہٰذا اس رقم کو سیاستدانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ مسئول الیہہ نمبر2 نے بیان کیا چونکہ مذکورہ بیان میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر کی جانب سے نیشنل اسمبلی کے روبرو مئورخہ 24-02-1992 کو دیئے گئے بیان کے برخلاف تھا لہٰذا عدالت نے بروئے حکم مئورخہ 24-02-1992 کے تحت قومی اسمبلی کی 11-04-1992 کی کاروائی جس میں میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر نے بیان دیا تھا کورٹ میں پیش کرنے کی ہدایت دی گئی۔ مئورخہ 26-03-1997 کو قومی اسمبلی کی مذکورہ کاروائی کی تفصیلات عدالت کے روبرو پیش کی گئیں جن میں مشاہدہ کیا گیا کہ اس بیان میں کسی مخصوص رقم کی نشاندہی نہ کی گئی تھی جو کہ مجوزہ طور پر مسئول الیہہ نمبر 2 نے وصول کی ہو۔ تاہم درخواست دہندہ نے مسئول الیہہ نمبر2 کا ایک حلف نامہ داخل کیا جس میں چھ کروڑ روپے الیکشن سیل کی ہدایت پر تقسیم کرنے کا بیان دیا گیا ہے۔ بعد ازاں عدالت کی ہدایات پر میجر (ر) نصیر اللہ خان بابر اور مسئول اللہ نمبر 2 نے حلف نامہ کی صورت میں اپنے بیانات داخل کیے۔ علاوہ ازیں عدالت کے احکامات مئورخہ 23-10-1992 ,27-10-1997اور 06-11-1997 سے عیاں ہوتا ہے کہ متذکرہ بالا حلف نامہ جات میں بیان کردہ حقائق کا عدالت نے عدالتی نوٹس لیا۔مئورخہ 19-11-1997اور 20-11-1997 کی آرڈر شیٹ سے واضح ہے کہ ان پر جرح کیمرے کے سامنے کی گئی آرڈر شیٹ کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ کاروائی ان افراد پر جرح کی حد تک تو مکمل تھی لہٰذا ریکارڈ کا وہ حصہ جو ان افراد پر جرح کے متعلق تھا اِس عدالت کی جانب سے غیر متعلقہ قرار نہیں دیا گیا۔

20۔ مسئول الیہہ نمبر1 کے فاضل وکیل کی جانب سے کی گئی استدعا کہ انہیں اس خفیہ بیان کی نقل فراہم کی جائے جو مسئول الیہ نمبر2 نے مئورخہ 07-06-1994 کو وزیرِ اعظم کو ایسے خط میں تحریر کیا یہاں یہ بیان کیا جانا ضروری ہے کہ اس قسم کا کوئی بیان دونوں میں سے کسی فریق کی جانب سے ریکارڈ کا حصہ نہیں بنایا گیا لہٰذا اس کی نقل مسئول الیہہ نمبر1 کو فراہم کرنا ممکن نہیں جہاں تک مسئول الیہ نمبر1 کی استدعا کا تعلق ہے جو کہ انہوں نے CMA No. 1006/2012 کے ذریعے کی میں انہوں نے میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر اور مسئول الیہہ

نمبر2 کے جراحی بیان کی نقول کے حصوں کی استدعا کی تھی ان کی یہ استدعا قابلِ قبول نہ ہے کیونکہ عدالت نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کے ان بیانات کو زبانِ زدِ عام نہ کیا جائے اور ہمارا خیال ہے کہ اگر معاملے کو درخواست گزار ائیر مارشل اصغر خان کی استدعا تک محدود رکھا جائے تو کیمرہ کے روبرو کی گئی کاروائی پر دارومدار رکھنے کی ضرورت نہیں۔

21۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مئورخہ 25-04-2012 کی کاروائی کے دوران عدالت نے درجِ ذیل خیالات کا اظہار کیا:

''3۔ ہم نے کچھ سفارشات کی ہیں اور کاروائی کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے اپنے بیان میں اعتراف کیا ہے کہ آئی ایس آئی کی جانب سے رقم کی تقسیم اور اس رقم کیلئے ایک اکائونٹ مرتب کرنا ان کے علم میں تھا منجملہ اور چیزوں کے ان کے مذکورہ بیان میں ایک اور بات واضح تھی کہ اکائونٹ کا حساب کتاب اور رقم کی تمام تقسیم ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی کے پاس تھا اور اُس تمام رقم میں سے کوئی رقم خرد برد نہ کی گئی تھی ''

چونکہ جناب محمد اکرم شیخ سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ جو کہ مسئول الیہہ کی جانب سے پیش ہو رہے تھے نے مذکورہ اکاؤنٹ کی تفصیلات عدالت ہٰذا کے روبرو جمع کروانی تھیں لہٰذا CMA No. 1973/2012 مسئول الیہہ نمبر1 کی جانب سے ان کے اپنے دستخطوں کے ساتھ داخل کی گئی جس میں بیان کیا گیا کہ وہ ابتداء ہی سے زور دے رہے ہیں کہ صدرِ پاکستان غلام اسحٰق خان کے حکم پر سیاستدانوں میں رقوم کی تقسیم میں ان کا کوئی کردار نہ تھا مسلح افواج کے کمانڈر کی حیثیت سے ان کے پاس صرف اِس کی معلومات تھیں۔

22۔ مسئول الیہہ نمبر3 جن کا نام دعویٰ میں بار بار دہرایا گیا اور جنہیں کبھی بھی عدالت کے روبرو اپنا بیان داخل کرنے کا نہیں کہا گیا لہٰذا موجودہ سماعت کے دوران انہیں بھی سمن جاری کئے گئے جس کے جواب میں وہ عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے عدالت میں اپنا حلف نامہ مئورخہ 08-03-2012 داخل کیا جس کے مندرجات درجِ ذیل ہیں۔

بیانِ حلفی برائے سپریم کورٹ

میں محمد یونس اے حبیب ولد اے حبیب ساکن ,I-A-IIامین سن سیٹ بلیوارڈ ، ڈی ایچ اے فیز IIIایکسٹینشن، کراچی حلفاً بیان کرتا ہوں جوکہ درج ذیل ہے:۔

1۔ کہ اٹر مارشل ریٹائرڈ محمد اصغر خان نے ایك درخواست (ہیومین رائیٹس کیس نمبر 19/1996 سپریم کورٹ آف پاکستان میں گزاری اور محلف ہمراہ جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ ، سابق چیف آف آرمی سٹاف اور جنرل ریٹائرڈ اسد درانی سابق ڈائرکٹر جنرل آئی ایس آئی مسئول الیہ ہے۔

2۔ کہ معزز عدالت عظمیٰ نے ایك نوٹس مورخہ 08.03.2012بوقت نو بجے صبح جاری کیا۔

3۔ کہ ماضی میں 1979/80میں جب میں بطور وائس پریذیڈنٹ حبیب بنك لمٹڈ میں ملازمت کر رہا تھا اور کراچی میں تعینات تھا بریگیڈئیر (بعد ازاں) جنرل مرزا اسلم بیگ سے بریگیڈیئر قمر السلام کی رہائش گاہ پر ملا۔ (جہاں بریگیڈئیر محمد اسلم بھی موجودتھا)

4۔ مذکورہ ملاقات میرے اور جنرل (ریٹائرڈ) مرزا اسلم بیگ کی ذاتی دوستی میں ہوئی۔

5۔ جنرل (ریٹائرڈ) مرزا اسلم بیگ اور میں اکثر ایك دوسرے سے ملاکرتے تھے۔ جہاں تك مجھے یاد ہے جنرل بیگ نے مارچ 1990میں مجھے بلایا اور کہاکہ صدر غلام اسحاق خان (مرحوم)نے 350ملین (پینتیس کروڑ) روپوں کا انتخابات سے قبل جو کسی بھی وقت **عظیم قومی مفاد** میں منعقد ہو سکتے ہیں بندوست کرنے کیلئے کہا ہے۔

6۔ چند ماہ بعد کرنل انچیف (جنرل بیگ) کی تقریب میں مجھے بطور مہمان

مدعو کیا گیا۔

7۔ کہ صدر غلام اسحاق خان مہمانِ خصوصی تھا لیکن درحقیقت میرے ساتھ مہمانِ خصوصی کی طرح سلوك کیا گیا۔

8۔ کہ میں نے اُس موقع پر لی گئی ایك تصویر منسلك کی ہے جس میں میں صدر مرحوم کے بائیں جانب اور جنرل بیگ دائیں جانب تھے جو مذکورہ بیان کا ثبوت ہے۔

9۔ کہ ہمارا بینك (حبیب بینك لمٹیڈ) قومیا یا گیا بنك تھا۔ اور میرے پاس مذکورہ بینك کا SEVP اور ممبر بورڈ اور صوبائی چیف کا عہدہ تھا۔

10۔ اس موقع کے دوران ایك میٹنگ ہوئی جس میں جنرل بیگ نے مجھے صدر غلام اسحاق خان (مرحوم) سے متعارف کروایا اور اُسے بتایا کہ آپکی خواہش کے مطابق مطلوبہ فنڈز کے بندوبست کے لئے میں نے یونس حبیب سے بات کی ہے۔

11۔ تقریباً 45تا 60دِن بعد جنرل بیگ نے مجھے فون پر کہا کہ صدر غلام اسحاق خان (مرحوم) میرے ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ جس میں صدر کو یقین دہانی کروانا تھی کہ 35تا40کروڑ کے فنڈز کا انتظام ہو جائے گا۔

12۔ جہاں تك مجھے یاد ہے میٹنگ غالباً بلوچستان ہائوس ، اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی۔

13 میٹنگ کے دوران جس میں ہم میں سے صرف 3 (صدر جنرل بیگ او میں) موجود تھے۔ صدر نے مجھ سے بہترین قومی مفاد میں 35 سے 40 کڑور روپے کا بندوبست کرنے کا کہا تھا۔ جس کے جواب میں میں نے صدر کو بتایا کہ قانونی ذریعے سے اتنی بڑی رقم کا بندوبست نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس مقصد کیلئے ساز باز کی ضرورت پڑے گی۔ صدر نے حکم دیا کہ قومی مفاد کیلئے جو بھی کرنا پڑتا ہے کرو۔

14- کہ 29-11-1990 کو غا لبا ایک Q بلاک اسلا م آباد سیکریٹیریٹ میں میٹنگ ہوئی تھی۔ جس میں سابق اٹارنی جنرل عزیز منشی اور روئیداد خان جو کہ غالباً صدر آصف علی زرداری اور مرحومہ بینظیر بھٹو کے خلا ف مقدمات قائم کرنے کیلئے بنائے گئے سیل کا چیف تھا۔ اس میٹنگ کے دوران صدر آصف علی زرداری کے خلاف شکایت داخل کرنے کیلئے جناب روئیداد خان کی طرف سے مجھ پر دبائو ڈالا گیا جس سے میں نے انکار کر دیا۔

15- جب میں واپس کراچی گیا تو مجھے ائرپورٹ سے FIA نے گرفتا ر کرلیا۔ اور مجھے بتایا گیا کہ مجھے جناب روئیداد خان کے احکامات کے تحت گرفتار کیا گیا ہے اور مجھ پر اسی مقصد کیلئے دبائو ڈالا گیا (حوالہ فیض علی کا ظمی کیس) لیکن میں نے دوبارہ انکارکر دیا۔

16- مجھے 5سے6دن تک FIAسیل میں رکھا گیا اور مجھے بتایا گیا کہ میں نے ابھی تک مطلوبہ فنڈز کا بندوبست نہیں کیا ہے۔

17- کہ اجلال حیدر زیدی سے میری دو ملا قاتیں جنرل بیگ کے دفتر میں ہوئیں اور اسے اس با ت کا بخوبی علم تھا۔

18- کہ جن دنوں میں FIA سیل کے زیر حراست تھا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے کسی بھی طرح فنڈز کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ (جو الفاظ اکثر صدر اور جنرل بیگ استعمال کرتے تھے)۔ مجھے جام صادق علی کے ذریعے پھنسایا گیا۔

19- کہ حبیب بنک کی صوبائی ایگزیکٹیو کمیٹی نے میرے دوستوں کے نام 148 کروڑروپے کے قرضہ جات منظور کئے۔ اور کاروباری شراکت (یوسف میمن اور رفیق مور وغیرہ)

20- جنرل بیگ اور ISI (detachment)کے کرنل اکبر نے UBL-ABL-MCB کے اکائونٹ مہیاکئے ۔ جن میں یہ رقم جمع کروانی تھی۔

21- بریگیڈیر عامر سعید ISI(detachment)کراچی آپریشن کا سپروائزر/کوآرڈینیٹر تھا۔

22- میں نے جمع کرائی گئی رقم کے بارے میں جنرل بیگ اور حامد سعیدکو بتایا deposit slipکی Counterfoilsکرنل اکبر اور اس کی فوٹو کاپیاں یوسف میمن کے حوالے کی گئیں۔

23- 148کروڑ میں سے 34کروڑ اس طرح نکلوائے گئے۔

i- 140 ملین روپے جنرل بیگ کے ذریعے

ii- 70 ملین جناب جام صادق اس وقت کے چیف منسٹر سندھ کو۔

iii- 15 ملین جام صادق کے ذریعے پیر پگاڑا مرحوم کو۔

iv- 70 ملین صدر اور جنرل بیگ کے کہنے پر یوسف میمن کو دئے گئے۔

جو براہِ راست ISI سے پیسے نہیں لینا چاہتے تھے۔

کچھ فنڈز آرمی ویلفئیر سکیم کو دئیے گئے۔ باقی کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا۔ کہ وہ جائیداد وغیرہ خریدنے کیلئے استعمال کئے گئے۔ اور ان فنڈز کا کچھ حصہ کاروباری شراکت داری کو دیا گیا۔ جنہوں نے سہولتیں دیں اور اپنی خدمات بطور**ڈائریکٹر کمپنیز** پیش کیں۔

24- کل 3450 ملین روپے (3.45 billion) بنکوں کو واپس ادا کر دئیے گئے ہیں۔ اور 1150 ملین روپے ابھی حبیب بنک کو ادا کرنے ہیں۔ اور 32 ایکڑ اراضی صنعتی رہائشی پلاٹ جس کے بارے میں ایک کیس سپریم کورٹ میں زیر التواء ہے۔

25۔ یہ کہ اس کیس کو مہران گیٹ سیکنڈل کے طور پر لیا گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ رقم حبیب بینک لمیٹڈ سے لی گئی اور مہران بینک اس وقت تک وجود میں نہیں آیا تھا۔

26۔ یہ کہ جب یہ معاملہ1994 میں سامنے آیا تو میں اس وقت مہران بینک لمیٹڈ

میں چیف آپریٹنگ آفیسر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ تاہم میرے پاس چیف ایگزیکٹو کے تمام اختیارات تھے جس کی وجہ بینک میں میری بڑی سرمایہ کار ی تھی۔

27۔ جب محترمہ بینظیر بھٹو دوسری مرتبہ منتخب ہوئیں تو ان کے علم میں لایا گیا کہ مجھے ان کے الیکشن میں ان کے خلاف استعمال کیا گیا ہے تو انہوں نے مہران بینک کو بند کرنے کے احکامات جاری کیئے۔ اور ساتھ ہی میری گرفتاری کے احکامات جاری کردئیے۔

28۔ یہ کہ نام نہاد اعلیٰ قومی مفاد میں مجھے 4 سال تک جیل میں رکھا گیا۔ مجھے حقیقتاً کوئی علم نہیں کہ اس رقم کو کیسے استعمال کیا گیا۔

29۔ یہ کہ میں ایک قومیائے گئے بنک کا ملازم تھا اور اعلیٰ قومی مفاد کے نام پر صدر اور COAS کے احکامات ماننے کے علاوہ میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

30۔ میں اس معاملے میں ملوث ہونے پر معافی مانگتا ہوں اور اپنے آپ کو عدالتِ عظمیٰ کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں۔

یونس حبیب

-SD/-

مورخہ:**08/03/2012**

23۔ مسئول علیہہ نمبر3 کے حلف نامے میں عائد کئے گئے الزامات کے جواب میں مسئول علیہہ نمبر1 نے مئورخہ 09-03-2012 کو جوابی حلف نامہ داخل کیا جس کے مندرجات درجِ ذیل ہیں:

"COUNTER AFFIDAVIT OF GENERAL (R) MIRZA ASLAM BEG, DEPONENT/RESPONDENT NO.1, IN RESPONSE TO THE AFFIDAVIT FOR MR. YUNUS A. HABIB

میں جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ، یہاں پر قسماً درجہ ذیل حلف دیتا ہوں،

(1) یہ کہ محلف ایماندارنہ ، مخلصانہ اور دیانتداری سے جناب یونس اے حبیب کے 8th مارچ 2012 کے دیئے گئے بیان حلفی کے تمام مندرجات کا انکاری ہوں۔

(2) یہ کہ 8 مارچ 2012 کو اس معزز عدالت کے سامنے جناب یونس اے حبیب کی طرف سے دیا جانے والا بیان حلفی حیران کن ہے اور صرف کچھ چیزیں سامنے لا کر 1996ء سے التواء شدہ اس معزز عدالت کی کاروائی کو بد نام کرنا ہے۔

(3) یہ ایک مکمل بدنیتی پر مبنی اوراس عدالت میں زیر سماعت کاروائی کے تقدس کو ڈرامائی طور پر بدنام کرنے کی کوشش ہے اس معاملے کے پیچھے ایک خفیہ ہاتھ ہے جو اس تمام معاملے کو دوسرا رخ دینا چاہتا ہے۔

(4) یہ کہ جناب یونس حبیب نے سابقہ صدر پاکستان غلام اسحٰق خان کو خاص طور پر مجھے اورکئی دوسروں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اور بری نیت کے ساتھ انصاف کے پہیہ کو روکنا چاہتا ہے۔

(5) یہ کہ جناب یونس اے حبیب کی طرف سے لگا ئے جانے والے الزامات دراصل بذاتِ خود جھوٹ ہیں ۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ میں معزز عدالت کی توجہ جنرل اسد درانی اور میجر جنرل (ر) این کے بابر کے اس بیان کی جانب دلانا چاہتا ہوں جو انہوں نے in camera عدالت کے سامنے ریکارڈ کروائے وہ غائب ہیں اور ابھی تک نہیں ملے۔درحقیقت مسئول الیہ، محلف کے اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ وزیراعظم بےنظیر بھٹو کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ مسئول الیہ محلف نے 1990ء میں اس کی حکومت ختم کی جس کہ انتقام کے لیئے جو اس عورت کو ہترین مفاد میں ورثہ میں ملا انھوں نے مسئول الیہ محلف کے خلاف کاروائی جاری رکھی ہے بلکہ اس معزز عدالت کے ریکارڈ میں ردوبدل کی جرات بھی کی۔

(6) یہ کہ مسئول الیہ محلف اس معزز عدالت کی توجہ کچھ انتہائی تلخ حقائق، ماضی کی کاروائی کی طرف دلانا چاہتا ہے تا کہ مناسب رخ کا تعین ہو۔

(a) 19-5-1999 کو جناب جسٹس سعید الزمان صدیقی چیف جسٹس کی سربراہی میں معزز عدالت نے فیصلہ محفوظ کیا تھا، لیکن بعد میں 8-10-1999 کو چیف جسٹس نے دوبارہ کاروائی شروع کی اور مندرجہ ذیل آرڈر پاس ہوا تھا۔

"مقدمہ میں فیصلہ محفوظ ہونے کے بعد آفس نے توجہ دلائی کہ دونوں گواہان کے بیانات میجر جنرل (ر) اور لیفٹننٹ جنرل (ر) اسد درانی ، جو کاروائی کے دوران ان کیمرہ دیئے گئے نہ ہی گواہان نے دستخط کیے ہیں اور نہ ہی ان معزز ججز نے جنہوں نے ان کیمرہ کاروائی منعقد کی۔ اسی طرح دونوں گواہان 2.6.1999 کو چیمبر میں ہمارے روبرو (جسٹس سعیدالزمان صدیقی) پیش ہوئے اور اپنی دی گئی شہادت کا ریکارڈ دیکھا۔ دونوں گواہان نے اپنے بیانات پڑھنے کے بعد اس کو تسلیم کیا اور اپنے بیانات درست قرار دے کر اپنے دستخط ثبت کئے۔

اس کے بعد میجر جنرل ریٹائرڈ نصیراللہ بابر نے ایک درخواست زیر آرڈر 5 قاعدہ (19) 1980 کے تحت مختلف کاغذات کے ساتھ دائر کی جس میں کہا گیا کہ سردار احمد فاروق خان لغاری کو بھی بلایا جائے کہ وہ کمپیوٹرڈ سک مہیا کرے جس میں مہران بنک اور خاص طور پر اپنے اکاونٹ کو قائم رکھنے کے ریکارڈ کو بطور شہادت پیش کرے۔ جس پر فیصلہ محفوظ ہو گیا۔ دفتر نے آرڈر کے لیے چیمبر میں درخواست بھیجوائی۔ مندرجہ بالا درخواست جو میجر جنرل ریٹائرڈ نصیراللہ بابر نے دائر کی تھی جس کو سنے بغیر گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے نمٹا دیا گیا۔ درخواست جو نصیراللہ بابر نے دائر کی تھی بابت فائنل آرڈر کیس کے لیے دی تھی جس میں آفس کو ہدایت کی گئی کہ تمام پارٹیوں اور اٹارنی جنرل کو نوٹس کے بعد اسکو عدالت میں مورخہ 10.10.1999 کو بوقت دن ایک بجے لگایا جائے۔

ریکارڈ کے مطابق کیس آخری بار 12.10.1999 کو لگا۔ اور اُسی دن آرمی جنرل پرویز مشرف نے ٹیک اور کر لیا اور اسی دن یہ آرڈر پاس ہوا۔

معزز اٹارنی جنرل نے ایک CMA 1072/99 پیش کی جس میں جواب کے لیے ٹائم مانگا گیا۔ فاضل وکیل مسئول الیہ نمبر1 نے کہا کہ اس کا موکل ملک سے باہر ہے ۔ اس نے مزید وقت مانگا، لہٰذا

مقدمہ اگلی تاریخِ پیشی تک ملتوی ہو گیا۔

(b) 1997 میں نے اپنا بیان کھلی عدالت میں دیا میں پیٹیشنر کا وکیل مقرر تھا۔ لیکن معذرت کے ساتھ بیان لیفٹیٹ جنرل اسد دورانی اور نصیراللہ خان بابر کے بیانات ان کیمرہ ریکارڈ ہوئے۔ میرا دفاعی وکیل اکرم شیخ تھا جو حاضر تھا اور میری رسائی ان بیانات تک نہ ہوئی۔ مجھے معزز عدالت میں سننے کے لیے حاضری کا نوٹس 8 مارچ 2012 کے لیے ملا۔

(c) میرے وکیل دفاع جناب اکرم شیخ نے مجھے لیفٹیننٹ جنرل اسد درانی کے بیان حلفی کی کاپی دی ہے لیکن اسے جنرل نصیراللہ بابر کا بیان نہیں ملا جسے سربمہر کیا گیا اور عدالت میں محفوظ رکھ دیا گیا ہے۔

(d) مسئول الیہ/درخواست دہندہ کو ایک درخواست میں طلب کیا گیا جس میں الزام لگایا گیا کہ مسئول الیہ/درخواست دہندہ اور جنرل اسد درانی بد انتظامی کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن مسئول الیہ /درخواست دہندہ نے خود رضا مندی سے بیان دیا کہ یہ الزام بنیادی حقوق کے نفاذ کے زمرے میں نہیں آتے جو عدالت عظمیٰ کے اختیارِ سماعت میں نہیں، اور ماضی میں 1997 میں اپنے وضاحتی بیان اور ساتھ ہی ساتھ متفرق درخواست 785/1997 کے جواب میں کہا:۔

''کہ یہ عدالت عظمیٰ آئی ایس آئی کے سیاسی سیل کی سرگرمیوں کو دائرہ اختیار سماعت میں لا سکتی ہے جو 1975 میں سابقہ وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ایک انتظامی حکمنامہ کے تحت کھولا /بنایا گیا۔ اس سیاسی سیل پر پریس رپورٹ کے ذریعے الزام ہے کہ اس نے لوگوں کے حقوق انجمن بنانے بارے جوڑ توڑ کیا جو لوگوں کو آئین کے آرٹیکل 17 کے تحت حاصل ہیں اور یہ بھی رپورٹ کیا گیا کہ اس سیل نے ملک کے شہریوں کی خواہش کو دبانے میں کردار ادا کیا۔ لہٰذا قومی سلامتی کے تقاضے میں کہ متنازعہ سیاسی سیل کو الگ انداز میں دیکھنا چاہئے دوسرے اداروں سے علیحدہ طور پر دیکھنا چاہئے تا کہ ملک میں سیاسی عمل کو ناخوشگوار، غیر صحت مندانہ اور بیرونی اثرات سے محفوظ رکھا جا سکے''۔

7۔ کہ مسئول الیہ/ درخواست دہندہ نے اپنے وضاحتی بیان/ جواب کے پیرا 14 کی طرف مسئول الیہ نمبر 1 کی جانب سے توجہ دلائی جو درج ذیل ہے۔

''14 کہ 20 اپریل 1984 میں اس وقت کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے قومی اسمبلی پر یہ بات عیاں کی جس کو روزنامہ مسلم بتاریخ 21 اپریل 1994 میں یوں بیان کیا گیا:۔

''کہ یونس حبیب جو مہران بنك لمیٹڈ کا چیف آپریٹر تھا نے بہت سے بوگس اکاؤنٹ نمبروں کے ذریعے سے 2.10 ارب روپے کی خردبرد کی''۔

''وزیر داخلہ نے اسمبلی کو بتایا کہ یونس حبیب نے 14 کروڑ سابقہ چیف آف آرمی سٹاف مرزا اسلم بیگ کو 1991 میں دئیے۔ 7 کروڑ مرحوم جام صادق علی خان کوجو اس وقت کے وزیر اعلیٰ سندھ تھے ان کو دئیے ۔ 2 کروڑ ایم کیو ایم کے چیف اسربراہ الطاف حسین کو دئیے اور بھاری رقم دوسرے سیاستدانوں کو بھی دی۔''

ان تمام الزامات کا مسئول الیہ درخواست دہندہ نے سامنا کیا اور ان کی پر زور تردید کی اپنے وضاحتی بیان میں جیسا کہ پاکستان پیپلز پارٹی حکومت کے وزیر داخلہ نے ترپ کا پتہ چلایا۔ یہ بھی ریکارڈ پر ہے کہ جناب رحمٰن ملک نے دو مرتبہ جرمنی کا دورہ کیا تا کہ اس معاملہ کو بدنام کیا جا سکے جو اس موجودہ درخواست کا موضوع ہے جس کے بارے پہلی دفعہ قومی اسمبلی میں میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر نے دھماکا کیا تھا۔

8۔ یونس حبیب کے پہلے دیئے گئے بیان میں جس میں کہا گیا تھا کہ اس میں ایک ارب اسی کروڑ اور دوسرے الزامات کا کوئی ذکر نہیں تھا اور اس نے دعویٰ کیا کہ اس کو اس رقم کا ہر صورت بندوبست کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

9۔ کہ درحقیقت اس نے اپنے جرائم کو چھپانے کے لئے ایک نئی کہانی گھڑنے کی کوشش کی ہے جس کے ذریعے اس نے حبیب بینک / مہران بنک سے ایک ارب اسی کروڑ روپے خرد برد کئے جس کی بنیاد پر اس پر مقدمہ چلا،جیل ہوئی اور تقریباً دوگنا رقم تین ارب ادا کرنے پڑے لہذا سیاست اور جرم، انصاف

سے روگردانی کے لئے متحد ہو گئے۔

10۔ کہ میں یونس حبیب کے دائر کردہ حلف نامہ کا جواب دینے سے معذور ہوں جب کہ میرے سامنے مہران بنک سکینڈل کمیشن اور حبیب بینک سکینڈل کمیشن کی رپورٹیں نہیں آتی اور عدالت عظمی سے مداخلت کی درخواست کرتا ہوں کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت کو ہدایت کی جائے کہ مجھے ان کمیشنوں کی رپورٹیں دی جائیں تا کہ میں اس کینہ پرور، مجوزہ اور بالکل غلط الزام کے جواب میں اپنا وضاحتی بیان جمع کرا سکوں جہاں تک مسئول الیہ درخواست دہندہ کا تعلق ہے۔

11۔ کہ درخواست دہندہ/مسئول الیہ نے یہ موقع حاصل کیا کہ عدالت عظمی کے سامنے پی پی پی حکومتوں کا عدلیہ اور مسلح افواج کے لئے متواتر رویہ سامنے لائے اور یہ کہ انہوں نے ان دو اداروں کے کردار کو داغدار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

12۔ کہ میرے ذہن میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ جناب یونس حبیب نے اپنے حلف نامہ میں جو جھوٹوں کا پلندہ اکٹھا کیا ہے اس کی وجہ سیاسی ہلچل ہے ان امور میں اور یونس حبیب نے کوشش کی ہے کہ اپنی غلط سرگرمیوں کو پاک کر سکے اس لئے اس معاملہ کو ''**قومی دلچسپی کی مد میں الیکشن کے لئے فنڈ جمع کرنے**'' سے جوڑ دیا ہے۔

13۔ کہ یہ حلف نامہ اپنے ہی جرم کو لبادہ اوڑھانے کے مترادف ہے وہ مجرم پایا گیا اور قانون کے تحت اس کو سزا دی گئی۔ یہ ایک الگ معاملہ تھا جو کہ حبیب بینک اور مہران بنک کمیشن کی انکوائریوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔

14۔ کہ یہ جواب الجواب حلف نامہ داخل کرتے ہوئے میں مخلصانہ طور پر عدالت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے عدالت عظمی کے سامنے تین مرتبہ پیش ہونے کا موقع ملا۔ پہلی دفعہ چیف جسٹس افضل ظلہ، دوسری دفعہ سجاد علی شاہ اور اب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی متحرک قیادت میں اس عدالت عظمیٰ کے سامنے یہ میرے لئے ایک اعزاز کی بات ہے جس کا شاید کوئی دوسرا چیف آف آرمی سٹاف دعویدار نہیں ہوسکتا۔ تاہم مجھے حیرانگی ہے ''**جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں**''۔

ادب کے ساتھ پیش کیا۔

حلفاً اسلام آباد
امروز مورخہ 9 مارچ 2012ء
دستخط مدعا علیہ
جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ

24۔ مسئول الیہہ نمبر2 نے بھی ایک مختصر بیان مئورخہ 08-03-2012 کو دائر کیا جو کہ درجِ ذیل ہے:

لیفٹیننٹ جنرل (ر) ایم اسد درانی مدعا علیہ نمبر2 کی طرف سے تحریری جواب

مودبانہ گزارش ہے،

1۔ کہ مورخہ 8 مارچ2012ء کو جناب چیف جسٹس آف پاکستان نے مجھے ہدایت دی کہ میں جناب یونس حبیب کی طرف سے HRC No. 19-1996 (ایئر مارشل اصغر خان بنام جنرل اسلم بیگ) کی سماعت کے دوران جمع کروائے گئے بیان حلفی پر اپنی رائے دوں جو کہ مندرجہ ذیل ہے:۔

2۔ جناب یونس حبیب نے یقیناً140 ملین روپے (بیان حلفی کا پیرا نمبر (1)23) مختلف برانچوں میں (پیرا نمبر 20) میرے حکم پر کھولے گئے کھاتہ جات میں جمع کروائے جو کہ بذریعہ بریگیڈیئر حامد سعید (انچارج MI نہ کہ آئی ایس آئی فارمیشن کراچی) کھولے گئے۔

3۔ میں نے بیان حلفی میں یہ بات بھی بیان کی تھی کہ میں نے بیان حلفی کو دستخط کر کے جناب رحمان ملک، جو کہ اس وقت ایف آئی اے کے ڈی جی تھے، کے حوالے مورخہ 07-06-1994 جرمنی میں کیا تھا۔

4۔ میرے پاس جناب یونس حبیب کے بیان حلفی میں سامنے لائے گئے دیگر معاملات کے متعلق کوئی معلومات نہ ہیں۔لہذا یہ استدعا کی جاتی ہے کہ تحریری جواب انصاف کی خاطر ریکارڈ پر لایا جائے۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) ایم اسد درانی
مورخہ 8-3-12

مسئول الیہہ نمبر3 نے مسئول الیہ نمبر1 کے متذکرہ بالا جوابی حلف نامے مئورخہ 09-03-2012اور

مسئول الیہہ نمبر2 کے مختصرا بیان کے جواب میں ایک اور حلف نامہ مئورخہ 10-03-2012 داخل کیا جس کے مندرجات درجِ ذیل ہیں:

بیان حلفی برائے جواب بیان حلفی جناب جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ مورخہ 9 مارچ 2012ء اور جناب لیفٹیننٹ ریٹائرڈ ایم اسد درانی مئورخہ 8 مارچ 2012ء

بعدالت سپریم کورٹ آف پاکستان

منکہ مسمی محمد یونس اے حبیب، ولد اے حبیب، ساکن 11-A-1 مین سن سیٹ بلیوارڈ ، ڈی ایچ اے فیز II ایکسٹینشن کراچی۔

مندرجہ ذیل حلفیہ بیان دیتا ہوں:

جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ:

1۔ بیان حلفی کے پیرا نمبر 2 کے جواب میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ میں نے بیان حلفی مئورخہ 8-3-12 کو سپریم کورٹ میں پورے خلوص، ایمانداری اور سچائی کو ریکارڈ پر لانے کے لئے پیش کیا اور ملک کی اعلیٰ ترین عدالت (سپریم کورٹ آف پاکستان) ، جس کی سربراہی جناب افتخار محمد چوہدری چیف جسٹس آف پاکستان کر رہے ہیں، کو بدنام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

2۔ مجھے اس کیس کا مذاق بنانے میں کوئی دلچسپی نہ ہے اور میں صرف اس عدالت کے سامنے مرنے سے پہلے سچ بولنا چاہتا ہوں تا کہ یہ عدالت درست نتیجہ پر پہنچ سکے۔ مزید بیان کیا جاتا ہے کہ جب سے یہ کیس جناب ایئر مارشل اصغر خان نے سپریم کورٹ میں جمع کروایا ہے میری کسی سول یا ملٹری انٹیلی جنس کے عہدے دار سے کوئی ملاقات نہ ہوئی ہے نہ ہی میری ملاقات کسی سیاسی جماعت کی کسی سیاسی شخصیت سے ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا بیان حلفی مورخہ 8 مارچ 2012ء کو معزز عدالت میں جمع کروا دیا۔ صرف جناب جنرل ریٹارئرڈ اسلم بیگ نے پچھلے دو سالوں کے دوران چار سے پانچ مرتبہ مجھ سے بات کرنا چاہی۔ (یہ بیان حلفی کے پیرا نمبر 3 کے جواب میں ہے)۔

3۔ بیان حلفی کے پیرا نمبر 4 کے جواب میں ایک دفعہ پھر عرض ہے کہ مجھے ملکی سیاست سے کوئی دلچسپی نہ ہے نہ ہی میں کبھی کسی شخص کو نقصان پہنچانے یا انصاف کی عدالت کی راہ میں حائل ہونے کے بارے

میں سوچ سکتا ہوں۔ مئورخہ 12-3-8 کے بیان حلفی کے ساتھ جمع کروائی گئی تصویر اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب صدر اور جناب جنرل (ر) بیگ نے مجھے اس حد تک پابند کر دیا تھا کہ میں ان کے احکامات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

4۔ پیرا نمبر 8 کے جواب میں عرض ہے کہ میرے سابقہ بیان حلفی ، مِیں میں نے کہا تھا کہ 1480 ملین روپے (ایک سو اڑتالیس کروڑ) حبیب بینک سے نکلوائے گئے نہ کہ 1800 ملین روپے جیسا کہ جنرل (ر) اسلم بیگ نے کہا۔

5۔ پیرا (9) کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ جنرل (ر) اسلم بیگ نے حبیب بینک اور مہران بنک کو ملا دیا ہے جب کہ میری بہترین سمجھ، فہم وعلم کے مطابق ایئر مارشل (ر) اصغر خان 1990ء کے ایڈیشن میں رقوم کے تناسب استعمال کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ رقم .PPP Govt کی کامیابی کو روکنے کے لئے استعمال ہوئی تھی۔ اور اس لئے میں نے اپنے حقائق کے افشاء کو حبیب بینک لمیٹڈ تک محدود رکھا اور مہران بنک کے مسلہ کو نہ چھیڑا، سوائے ان پندرہ کروڑ روپیکہ جو مرحوم جام صادق علی کو برائے لائسنس ادا کئے گئے تھے۔ (یہ affidavit کے ساتھ ایک علیحدہ نوٹ شیٹ میں ہے)۔

6۔ میں مہران بنک کے معاملہ میں بیانِ حلفی دینے کو تیار ہوں اگر مقدمہ عدالت عظمیٰ میں دائر کیا جاتا ہے یا عدالت عظمیٰ بذات خود اس تناظر میں بیانِ حلفی دائر کرنے کا حکم دیتی ہے۔

7۔ اس حد تک یہ بات درست ہے کہ میں نے تین بلین روپے تک کی رقم ادا کی تھی۔ حقیقتاً میں نے 345 کروڑ روپے اس وقت تک ادا کئے اور صرف 115 کروڑ روپے کی رقم حبیب بنک کو ادا کی جانی تھی۔ یہ رقم 32 ایکٹرز پر محیط پلاٹ بمقام گلشن اقبال بلاک 9 کی فروخت کے ذریعے باآسانی ادا کی جا سکتی ہے۔ میں سو فیصد پر یقین ہوں کہ مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں ہو گا۔ کیونکہ ضلعی شہری حکومت نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا ہے کہ اس نے اس پلاٹ کے عوض Evacuee Trust کو کوئی رقم ادا کی۔

8۔ پیرا نمبر 12 اور 13 کے جواب کے لئے میری مذکورہ بالا پیرا جات میں کی گئی گزارشات، ہو بہو

ویسی ہی ہیں۔

<u>لیفٹیننٹ جنرل (ر) محمد اسد درانی</u>

1۔ پیرا نمبر 2 کے جواب میں گزارش ہے کہ بریگیڈیئر حامد سعید اور کرنل اکبر کا تعارف بطور آئی ایس آئی افسران مجھ سے کرایا گیا۔ تاہم جنرل (ر) اسد درانی کے حلف نامے کے بعد، میرے مورخہ 8 مارچ 2012 کے سابقہ حلف نامے کے پیرا 20 اور 21 میں سے لفظ آئی ایس آئی براہ کرم حذف کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا گزارشات میرے علم وفہم و یقین کے عین مطابق ہے۔

دستخط

محمد یونس حبیب

10-03-2012

اسی دوران مسئول الیہ نمبر 3 نے CMA No. 1034/2012 بھی داخل کر دی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ ان کا حلف نامہ بتاریخ 08-03-2012 جس کے مندرجات اوپر بیان کئے گئے ہیں میں انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ سات کروڑ روپے یوسف میمن ایڈووکیٹ کے ذریعے اُن سیاستدانوں میں تقسیم کئے گئے تھے جو آئی ایس آئی کے ذریعے رقم نہیں لینا چاہتے تھے۔ یوسف میمن ایڈووکیٹ نے جیو نیوز چینل کے دو مختلف ٹی وی پروگراموں (ایک کامران خان اور دوسرا نذیر لغاری) کے ساتھ میں اعتراف کیا کہ اسلام آباد کے F-6/2 سیکٹر میں ایک گھر جاوید ہاشمی کے نام سے خریدا گیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ پچاس فیصد رقم سے مکان کی خرید پر سرمایہ کاری کی گئی۔ (قاسم 1 الملتان)۔ انہوں نے کہا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد انہوں نے سٹیٹ بینک آف پاکستان سے اور حبیب بینک لمیٹڈ سے رابطہ کیا تاکہ اپنے ذمہ واجب الادا رقم کی ادائیگی کی جا سکے جس کو وہ نیب کے تعاون سے ادا کرنا چاہتے تھے جس کیلئے وہ تیار بھی تھے پس ایک سو اڑتالیس کروڑ روپے کا قرضہ ادائیگی کیلئے تین سو کروڑ (اصل رقم ایک سو اڑتالیس کروڑ اور مارک اپ/سود 152 کروڑ روپیہ)۔ اوپر بیان کردہ مالی ذمہ داری میں سے مسئول الیہہ نمبر 3 نے ایک سو پچاس کروڑ روپے کی ادائیگی کر دی جس کا مطلب یہ ہے کہ 148 کروڑ روپے کی اصل رقم اور مارک اپ کی مد میں 37 کروڑ روپے بھی ادا ہو چکے ہیں اور اب 115 کروڑ روپے مارک اپ اور سود کی مد میں بقایا ہیں انہوں نے استدعا کی کہ ایک عدالتی کمیشن قائم کیا جائے جو کہ آئی ایس

آئی اور یوسف میمن ایڈووکیٹ کی جانب سے تقسیم کردہ رقوم کی وصولی کو ممکن بنوائے اور اس وصول شدہ رقم کو حبیب بینک لمیٹڈ کی جانب سے واجب الادا رقم کی مد میں جمع کروایا جائے یا پھر مذکورہ رقم کی وصولی کی ذمہ داری نیب کے حوالے کی جائے جو کہ پہلے ہی مقدمہ کے حقائق سے واقف ہے۔

25۔ نیب کو جاری کردہ سمن کے جواب میں فاضل پراسیکیوٹر جنرل نیب عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور ایک رپورٹ پیش کی جس میں بیان کیا کہ نیب آرڈیننس کے تحت تحقیقات جاری ہیں اور حبیب بینک لمیٹڈ کے ساتھ ادائیگی کے معاملات چل رہے ہیں۔ اِن سب کے باوجود عدالت کا تعلق چونکہ اُس رقم سے ہے جو کہ الیکشن سیل کے توسط سے تقسیم کی گئی لہٰذا عدالت سماعت کے دائرے کو مسئول الیہہ نمبر3 کی جانب سے ذاتی قرضوں کی ادائیگی کی کاروائی تک نہیں پھیلانا چاہتی اور کاروائی کو درخواست گزار کے فاضل وکیل کی جانب سے کی جانے والی استدعا تک محدود رکھنا چاہتی ہے جو کہ کچھ یوں ہے:

(a) وہ تمام اراکین بشمول افواجِ پاکستان کے افسران جو کہ مسئول الیہا نکی فہرست میں شامل ہیں اور جو کہ انتخابی عمل پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوئے، چاہے رقوم کی تقسیم کے ذریعے وہ تمام افراد آئین کو توڑنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

(b) مسلح افواج کا کوئی بھی افسر اپنے حلف کی خلاف ورزی میں اعلیٰ حکام کے احکامات پر عمل کرنے کا پابند نہیں اور نہ ہی وہ اعلیٰ حکام کے احکامات کو اپنے دفاع کیلئے استعمال کر سکتا ہے۔

(c) الیکشن کے قوانین کے مطابق خفیہ رقوم لینا اور ان کو ظاہر نہ کرنا سنگین دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔

(d) وفاق کو ہدایت دی جانی چاہئے کہ وہ فوجداری اور انتخابی قوانین کے تحت سیاسی مقاصد کے لئے رقم وصول کرنے والوں اور رقم کی ادائیگی کرنے والوں کے خلاف جن میں مسئول الیہان اور دیگر دوسرے افراد جن کا نام لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی کے خط مئورخہ 07-06-1999 جو کہ انہوں نے وزیرِ اعظم کو لکھا اور حلف نامہ مئورخہ 24-07-1999 میں دیئے گئے ہیں کہ

خلاف مناسب کاروائی کی جائے‘‘

26۔ مئورخہ 26-04-1997 اس وقت کے فاضل اٹارنی جنرل نے عدالت میں اصل خط بتاریخ 25-06-1997 پیش کیا جو کہ انہیں مخاطب کرتے ہوئے سیکریٹری دفاع کی جانب سے تحریر کیا گیا تھا جس کے ہمراہ چند دستاویزات بھی منسلک تھیں جو کہ آئی ایس آئی کے قیام کے متعلق تھیں تاہم مذکورہ دستاویزات کو پیش کرتے ہوئے اٹارنی جنرل نے عدالت سے استدعا کی تھی کہ دستاویزات پر استحقاق دیا جائے جو کہ عدالت نے وقتی طور پر دے دیا تھا اور دستاویزات اُسی روز انہیں واپس کر دی گئی تھیں یہ حقیقت 26-06-1997 کے حکم نامہ میں مرقوم تھی جس میں مشاہدہ کیا گیا تھا کہ اٹارنی جنرل کو تحریر کئے گئے خط کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئی ایس آئی میں سیاسی سیل 1975ء میں قائم کیا گیا جو کہ اب تک قائم ہے ۔ جب اٹارنی جنرل سے اِس بابت استفسار کیا کہ کیا حکومت آئی ایس آئی کے اس سیاسی سیل کو ابھی بھی قائم رکھنا چاہتی ہے تو انہوں نے عدالت سے وقت مانگا تاکہ وہ حکام سے اس بارے میں مخصوص ہدایات حاصل کر سکیں۔ معاملے کی سماعت اس کے بعد 26-07-1997 اور 23-10-1997 کو بھی کی گئی مگر اس بابت کوئی جواب نہ دیا گیا لہٰذا 27-10-1997 کو فاضل اٹارنی جنرل سے 26-07-1997 کو جاری کردہ ہدایات کے متعلق دوبارہ استفسار کیا گیا کہ وہ عدالت کو مطلع کریں کہ آیا وفاقی حکومت آئی ایس آئی میں سیاسی سیل رکھنا چاہتی ہے کہ نہیں ؟ تاہم مسلسل ہدایات کے باوجود فاضل اٹارنی جنرل آئی ایس آئی میں سیاسی سیل رکھنے سے متعلق حکومت کا جواب داخل کرانے میں ناکام رہے۔ مگر مئورخہ 09-03-2012 مسئول الیہہ نمبر2 نے اپنے پچھلے مئوقف کو بدلتے ہوئے عدالت میں بیان دیا کہ آئی ایس آئی میں کوئی سیاسی سیل نہیں تھا مگر کچھ سیاسی کام چند نامزد افراد سرانجام دیتے تھے۔مئورخہ 17-05-2012 کو فاضل اٹارنی جنرل کو ہدایات دی گئیں کہ وہ 1995ء میں اُس وقت کے چیف ایگزیکٹو کی جانب سے جاری کردہ نوٹیفیکیشن جس کے تحت آئی ایس آئی میں سیاسی سیل قائم کیا گیا تلاش کر کے کر عدالت میں پیش کریں لیکن مئورخہ 04-06-2012 کو فاضل اٹارنی جنرل نے بیان دیا کہ نوٹیفیکیشن کی نقل اگلی پیشی تک جمع کرا دی جائے گی ۔ تاہم اگلی تاریخِ سماعت جو کہ 22-06-2012 تھی پر انہوں نے بیان دیا کہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ مذکورہ نوٹیفیکیشن ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جبکہ کمانڈر شہباز ڈائریکٹر (لاء) وزارتِ دفاع نے بیان کیا کہ ان کی معلومات کے مطابق نوٹیفیکیشن کیبنٹ ڈویژن کی جانب سے جاری کردہ تھا اور

وہ مذکورہ ڈویژن سے نوٹیفیکیشن حاصل کرنے کی کوشش کریں گے وہ بھی اگلی تاریخِ پیشی پر نوٹیفیشکین عدالت میں پیش کرنے میں ناکام رہے اور انہوں نے مئورخہ 16-07-2012 کو عدالت میں بیان دیا کہ وزارتِ دفاع کے پاس ایسا کوئی نوٹیفیکیشن موجود نہ ہے۔ دریں حالات حکم مئورخہ 13-09-2012 کے ذریعے سیکریٹری وزارتِ دفاع حکومتِ پاکستان کو ہدایات دی گئیں کہ وہ اس معاملے میں اپنا تحریری بیان داخل کریں اور وضاحت کریں کہ کیا ابھی بھی آئی ایس آئی میں یا کسی اور ادارے میں جو کہ وزارتِ دفاع کے زیرِ کنٹرول ہے میں کوئی سیاسی سیل کام کر رہا ہے کہ نہیں اسی طرح وزارتِ داخلہ کو بھی اسی طرح کا بیان آئی بی اور دیگر خفیہ ادارے جو کہ وزارتِ داخلہ کے زیرِ اثر کام کرتے ہیں کے متعلق داخل کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں۔ اگلی تاریخِ سماعت مئورخہ 03-10-2012 کو فاضل اٹارنی جنرل نے ایک مراسلہ بتاریخ 28-09-2012 عدالت کے روبرو پیش کیا جو کہ وزارتِ دفاع کی جانب سے جاری کردہ تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ ڈائریکٹوریٹ جنرل انٹر سروس انٹیلی جنس اور کسی دوسری ایجنسی یا کسی دوسرے ادارے میں جس کے انتظامات وزارت، دفاع کے پاس ہیں میں کوئی سیاسی سیل کام نہیں کر رہا۔ مئورخہ 09-10-2012 کو سیکریٹری داخلہ نے تحریری بیان داخل کروایا جس میں بیان کیا گیا کہ آئی بی اور آئی ایس آئی وزارتِ داخلہ کے زیرِ انتظام نہیں آتے مزید برآں، کسی اور ادارے میں جو کہ وزارتِ داخلہ کے انتظامی کنٹرول میں ہے کوئی سیاسی سیل نہیں چلایا جا رہا۔

27۔ مئورخہ 16-06-1992 کو مسئول علیہہ نمبر1 کا بیان ریکارڈ کیا گیا اور درخواست گزار کے وکیل جناب حبیب الوہاب الخیری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے اُن پر جرح کی۔ فاضل اٹارنی جنرل پاکستان عدالت کے نوٹس پر پیش ہوئے اور انہوں نے عدالت سے استدعا کی کہ کاروائی کیمرے کے روبرو کروائی جائے۔ جناب نصیر اللہ بابر اور مسئول الیہہ نمبر2 دونوں نے اپنے تفصیلی بیانات میں وہ تمام حقائق بیان کئے جو کہ وہ بیان کرنا چاہتے تھے داخل کروائے اور صرف جرح ہونا باقی تھی عدالت نے 06-11-1997 کے حکم کے ذریعے مزید بیانات کیمرے کی موجودگی میں ریکارڈ کرنے کا فیصلہ کیا لہٰذا کاروائی کیمرے کے روبرو ہوئی اور اِن افراد کے بیانات ریکارڈ کئے گئے۔ مئورخہ 19-05-1999 کو بحث مکمل ہوئی اور فیصلے کو محفوظ کر دیا گیا۔ لیکن بعدازاں دفتر نے معلومات دیں کہ بیانات جو کہ کیمرہ کے روبرو ریکارڈ کئے گئے تھے نہ تو گواہان کی جانب سے دستخط شدہ تھے اور نہ ہی فاضل جج نے جس کے روبرو بیان ریکارڈ کروائے جا رہے تھے اُس پر اپنے دستخط ثبت کئے تھے۔ اِسی وجہ سے مئورخہ

02-06-1999 کو دونوں گواہان کو جناب جسٹس سعید الزماں صدیقی جج (جو بعد ازاں چیف جسٹس کے عہدے پر بھی فائز رہے) کے روبرو چیمبر میں بلوایا گیا گواہان نے بیانات کا جائزہ لینے کے بعد ان کی صداقت کی تائید کی اور اُس پر اپنے دستخط ثبت کیئے بعد ازاں یہ بیان کیا گیا کہ مذکورہ گواہان کے بیانات جو کہ کیمرے کے روبرو ریکارڈ کئے گئے تھے ریکارڈ میں موجود نہ ہیں۔ اسی طرح سے حکم مئورخہ 27-05-1998 کے مطابق ایک سربمہر رپورٹ آئی ایس آئی (پارٹ IV & V) کی بابت بھی عدالت کے روبرو پیش کی گئی لیکن وہ رپورٹ بھی ریکارڈ میں موجود نہ تھی لہٰذا حکم مئورخہ 29-02-2012 کے تحت دفتر کو ہدایت دی کہ وہ اس رپورٹ کو برآمد کر کے سربمہر لفافے میں عدالت کے روبرو پیش کریں۔ اگلی تاریخِ سماعت جو کہ 08-03-2012 تھی کو مذکورہ رپورٹ عدالتی معاون نے سربمہر لفافے میں عدالت کے روبرو پیش کی جن کو عدالت کے سامنے کھولا گیا اور جائزہ لینے کے بعد اِن ہدایات کے ساتھ کہ وہ عدالتِ ہٰذا کے رجسٹرار کے پاس جمع کرا دی جائیں عدالتی معاون کو لوٹا دی گئیں۔ مئورخہ 08-03-2012 کے حکم کا متعلقہ حصہ درجِ ذیل ہے:

''29-02-12 کے حکم کی تعمیل میں، دفتر ایک بند لفافہ ریکارڈ پر لایا جس پر یہ الفاظ تحریر ہیں۔

"Top secret" "Report of the commission to review the working of security & intelligence Agencies"

لفافہ عدالت میں کھولا گیا جس میں چار فولڈر پائے گئے۔ پارٹ دوئم (ii) (سیکورٹی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے کام کی نظر ثانی کے بارے میں کمیشن کی رپورٹ مارچ 1989)

پارٹ سوئم (iii) (Corrsopondence) دوبارہ پارٹ دوئم (ii) (مارچ 1989 کی کمیشن کی رپورٹ کی فوٹو کاپی اور دوبارہ پارٹ سوئم (Corrospondence)

2۔ اسے دیکھنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ سیکورٹی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے کام کی نظر ثانی کے بارے میں کمیشن کی رپورٹ داخل نہیں کرائی گئی۔ جب کہ، کمانڈر محمد حسین شہباز، ڈائریکٹر (لیگل) جو کہ وزارتِ دفاع کی نمائندگی کر رہے ہیں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ رجسٹرار کے دفتر میں ان کاغذات کا مطالعہ کریں، جو کہ اس حوالے سے ان کے لئے آسانی پیدا کریں گے۔ انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس حوالے سے سال 1990 کی رپورٹ اور دیگر نئی رپورٹیں دائر کریں۔ قوم کے مفاد میں یہ کاغذات خفیہ

رکھے جائیں گے۔

3۔ لفافہ جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا، رفاقت حسین، سی اے برانچ انچارج سول ii کے حوالے کیا جاتا ہے، جو اِسے اس عدالت کے رجسٹرار کے حوالے کریں گے، جو کہ اس پر مہر ثبت کریں گے۔

4۔ ایک اور لفافہ پیش کیا گیا جو کہ مندرجہ ذیل آئٹم پر مشتمل ہے:۔

آئٹم نمبر 1۔

دو آڈیو کیسٹیں، ہیومن رائٹ کیس 19/1996 سے متعلق جس کی تفصیل یہ ہے:

کیسٹ نمبر 1۔ تاریخ 20-11-97 وقت 10:30 سے 11:00

کیسٹ نمبر 2۔ تاریخ 25-11-97 وقت 10:00 سے 11:00 اور 11:30 سے 01:00

(سائڈ اے)

آئٹم نمبر 2۔

فائل نمبر 1: تین اصل صفحوں پر مشتمل

صفحہ نمبر 1۔ اس وقت کے ایڈیشنل رجسٹرار کا اس وقت کے HJ(1) سے لئے گئے حکم کے حوالے سے نوٹ بتاریخ 28-05-99 کہ آیا لیفٹیننٹ جنرل (ر) نصیر اللہ بابر اور لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی سے کہا جائے کہ وہ اپنے بیانات کو اس عدالت کے افسر کی موجودگی میں پڑھیں اور دستخط کریں۔

صفحہ نمبر 2۔ 01-06-99 کا جنرل(ر) نصیر اللہ بابر اور جنرل (ر) اسد درانی کا بغیر دستخط شدہ بیانات/Cross Examination کے حوالے سے اُس وقت کے HJ(1) کونوٹ

صفحہ نمبر 3۔ جسٹس سعید الزمان صدیقی کا 02-06-1999 کا حکم

فائل نمبر 2 (اصل)

سیریل نمبر	تفصیل (تمام اصل)	صفحہ
1	میجر جنرل(ر) نصیر اللہ بابر پر جنرل مرزا اسلم بیگ کی طرف سے جرح	1-3
2	اپنی جرح کے حوالے سے جنرل بابر کی وضاحت	4
3	میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر پر حبیب وہاب الخیری کی جرح (اردو میں)	5-9

4	میجر جرنل (ر) نصیراللہ بابر پر محمد اکرم شیخ کی جرح	10-21
5	لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی پر جرح	22-25
6	لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی پر حبیب وہاب الخیری کی جرح	26-33
7	لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی پر میجر جنرل (ر) نصیراللہ بابر کی جرح	34-35

آئٹم نمبر 3:

11 نقول کی نقل نمبر 8۔

سیکیورٹی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے کام کی نظر ثانی کے حوالے سے کمیشن کی رپورٹ کے متعلق فولڈر جو کہ ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان (چیئرمین) نمبر 2۔ایس کے محمود، سیکرٹری داخلہ، ممبر، نمبر 3، جناب ایم اے کے چوہدری، ممبر، نمبر 4 ایئر کموڈور محمد یاسین سیکرٹری نے جمع کروائی صفحات (1-57)

آئٹم نمبر 4:

ایئر مارشل ذوالفقار علی خان کی طرف سے محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان ، وزیر اعظم سیکرٹریٹ، راولپنڈی کو لکھا گیا۔ ADO letter No. RC/1/89 بتاریخ 27-3-1989 بشمول حوالہ کی آسانی کے لئے کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ۔

5۔ دفتر نے یہ معلوم کرنے کی کوششیں کہ کہ آیا جنرل (ر) نصیراللہ خان بابر اور لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی کی ابتدائی جرح ریکارڈ کی گئی تھی یا نہیں رپورٹ کے مطابق ریکارڈ پر ایسی کوئی دستاویز میسر نہیں، جب کہ سلمان اکرم راجہ، وکیل مدعی نے بتایا کہ حلف ناموں پر ان سے جرح کی گئی تھی جو کہ پہلے سے ہی جمع کرا دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ یہ کارروائی خفیہ ریکارڈ کی گئی لہٰذا اس پر مہر ثبت کرنے کے بعد رفاقت حسین اعوان کے ذریعے، رجسٹرار کے پاس جمع کروایا جائے۔ ان دستاویزات کو ڈھونڈنے کے لئے رجسٹرار آفس کی طرف سے جو کارروائیاں کی گئی ہیں اُس کو بھی ریکارڈ کا حصہ بنایا جاتا ہے۔ اور رجسٹرار کے پاس جمع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

28۔ جناب محمد اکرم شیخ فاضل وکیل برائے مسئول الیہہ نمبر1 نے حکم مئورخہ 1997-06-26 کی بابت بیان دیا کہ مئی 1975ء میں آئی ایس آئی میں ایک سیاسی سیل قائم کیا گیا تھا اور مجوزہ دستاویز جس کی بنیاد پر مذکورہ سیل قائم کیا گیا تھا عدالت کے سامنے پیش کی گئی جو جائزہ لینے کے بعد اُن کو واپس کر دی گئی ۔ پس یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مئی 1975ء سے آئی ایس آئی میں ایک سیاسی سیل کام کر رہا تھا اور مقدمے کے ابتدائی مرحلے میں دستاویزات عدالت پیش بھی کیئے گئے جو کہ اب روک لئے گئے ہیں۔

29۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ متعدد دستاویزات اور دعویٰ جات کے مندرجات کے مطابق ظاہری طور پر یہ بات عیاں ہے کہ 1990ء میں ایوانِ صدر میں ایک سیل کام کر رہا تھا جس کی سربراہی اُس وقت کے صدرِ پاکستان غلام اسحٰق خان مرحوم کر رہے تھے اور انتظامی معاملات مسٹر روئیداد خان وغیرہ کے سپرد تھے۔ اِس معاملے میں یہ بات بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب جناب فاروق احمد خان لغاری (مرحوم) صدرِ پاکستان تھے اُن کے اور محترمہ بینظیر بھٹو (مرحومہ) کے جو کہ اس وقت وزیرِ اعظم پاکستان تھیں اور میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر (مرحوم) کے مابین ایک مشاورت ہوئی تھی جس میں متحد سیاسی جماعتوں کو مدد فراہم کرنے والے سیل کے معاملات پر غور کیا گیا تھا۔

30۔ یہ مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ صدر آئین کے آرٹیکل (1) 41 کے تحت ریاست کا سربراہ ہونے کے ناطے ریاست کے اتحاد کا مظہر ہے جبکہ آئین کے آرٹیکل (2) 243 کے تحت وہ افواجِ پاکستان کے منتظم اعلیٰ کا اختیار بھی رکھتے ہیں ۔لہٰذا کسی صدر سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ قومی مفاد کے نام پر کسی سیاسی جماعت یا کسی مخصوص گروہ کے مفادات کی سرپرستی کرے۔ مئورخہ 2012-10-04 کے حکم کے تحت درخواست گزار کے فاضل وکیل کی استدعا پر یہ مناسب سمجھا گیا کہ ایوانِ صدر کے دفتر کو بذریعہ سیکریٹری صدر مقدمے میں شریک کیا جائے ۔ لہٰذا اگلی تاریخِ سماعت مئورخہ 2012-10-15 کو ملک آصف حیات سیکریٹری صدرِ پاکستان جاری کردہ سمن کے جواب میں عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور کچھ وقت مانگا ۔ 2012-10-17 کو وہ دوبارہ عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور انہوں نے بیان کیا کہ موجودہ ریکارڈ کی روشنی میں کوئی ایسی معلومات نہیں ملتیں جس سے یہ واضح ہو کہ کوئی انتخابی سیل کبھی بھی ایوانِ صدر میں قائم کیا گیا ہوتا ہم وہ کوشش کریں گے کہ ایسی کوئی فائل مل جائے۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ چونکہ صدر کے ملٹری سیکریٹری کے پاس بھی ایوانِ صدر کا کچھ ریکارڈ موجود ہے

اُن سے مشورہ کر کے اگر کوئی معلومات مہیا ہوئیں تو وہ عدالت کے روبرو پیش کر دی جائیں گی۔ مورخہ 18-10-2012 کو ارشد علی چوہدری ڈائریکٹر لیگل ایوانِ صدر عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور ایک بیان صدر کے ملٹری سیکریٹری کی جانب سے جمع کروایا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ ایوانِ صدر میں موجود ریکارڈ کو کھنگالا گیا ہے لیکن کوئی دستاویز/فائل جو کہ 1990ء میں ایوانِ صدر میں کسی بھی قسم کے سیل کے قیام کے متعلق ہو نہیں پائی گئی۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کوئی بھی سیاسی سرگرمی قومی مفاد کے نام پر کسی مخصوص سیاسی پارٹی کو شفاف انتخابات سے محروم رکھنے کیلئے قابلِ قبول نہ ہے لہٰذا ایوانِ صدر کو غیر جانبدار ہونا چاہئے ۔ جہاں تک کہ سیاسی جماعتوں کے گروپ آئی جے آئی اور دیگر امیدواروں کو مدد فراہم کرنے کی بات ہے تو ان میں اچھی خاصی رقم 1990ء کے عام انتخابات سے پہلے تقسیم کی گئی تا کہ ان کو انتخابات میں یقینی کامیابی دلوائی جا سکے ۔ یہ رقم انہیں ایوانِ صدر سے ہدایات جاری ہونے پر دی گئی تھی ۔ 04-10-2012 کو صدر کے سیکریٹری کو نوٹسز جاری کئے گئے جن کے جواب میں جناب آصف حیات صدرِ پاکستان کے سیکریٹری عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے CMA No. 4365/2012 کے تحت اپنے جوابات داخل کئے ۔ اپنے جواب میں انہوں نے کہا کہ موجودہ ریکارڈ کے مطابق اس قسم کی کوئی معلومات نہیں ہیں کہ ایوانِ صدر میں کبھی بھی کوئی سیاسی سیل قائم کیا گیا ہو۔ تاہم وہ کوشش کریں گے کہ اُنہیں اس بابت کوئی معلومات یا کوئی متعلقہ فائل مل جائے تو وہ اسے عدالت کے روبرو پیش کر دیں گے۔ اسی طرح ایک علیحدہ بیان جناب ارشد علی چوہدری ڈائریکٹر لیگل نے منجانب برگیڈیئر محمد عامر صدر کے ملٹری سیکریٹری کی جانب سے بھی داخل کرایا اور جناب فضل الرحمٰن (سابقہ سیکریٹری صدر جناب غلام اسحٰق خان) کے بیان کے مطابق بھی ایوانِ صدر میں کوئی الیکشن سیل نہیں تھا۔لیکن مسئول الیہہ نمبر 1اور 2 کے حلف ناموں اور میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کے بیانات کے مطابق 1990ء میں ایوانِ صدر میں سیل موجود تھا ۔

31۔ مسئول الیہہ نمبر3 نے اپنے حلف نامے میں یہ بات واضح کی ہے کہ وہ مہران بینک نہیں تھا بلکہ درحقیقت حبیب بینک لمیٹیڈ تھا جہاں سے مجوزہ رقم سیاستدانوں کے گروپ جو کہ آئی جے آئی کے پلیٹ فارم پر انتخابات میں حصہ لینا چاہتے تھے میں تقسیم کرنے کیلئے نکالی گئی ۔ انہوں نے بیان کیا کہ مسئول الیہہ نمبر1 اکثر ان سے رابطے میں رہتے تھے ۔ مارچ 1990ء میں جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے انہیں بلایا اور کہا کہ مرحوم صدر غلام اسحٰق خان نے 350 ملین (پینتیس کروڑ) روپے کا انتظام بہترین قومی مفاد میں الیکشن سے پہلے کرنے کی ہدایت دی ہے۔

کچھ ماہ کے بعد اُن کو مہمان کے طور پر مسئول الیہہ نمبر1 کی کرنل انچیف بننے کی تقریب میں مدعو کیا گیا ۔ مذکورہ تقریب میں صدر غلام اسحٰق خان بطور مہمانِ خصوصی بلائے گئے تھے لیکن درحقیقت اُن (مسئول الیہہ نمبر3) کے ساتھ مہمانِ خصوصی جیسا سلوک کیا گیا۔اس دوران میں جب وہ سینئر ایگزیکٹیو وائس پریذیڈنٹ SEVP،ممبر بورڈ آف گورنرز اور حبیب بینک لمیٹیڈ کے ریجنل چیف تھے ایک میٹنگ رکھی گئی جس میں مسئول الیہہ نمبر 1نے ان کا تعارف صدر غلام اسحٰق خان مرحوم سے کرایا اور انہیں (صدر) بتایا کہ ان کی خواہش کے مطابق انہوں نے رقوم کے انتظام کیلئے معاملات اِ ن سے (مسئول الیہہ نمبر 3) بات چیت کی ہے۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ اس ملاقات کے تقریباً 45 سے 60دن کے بعد مسئول الیہہ نمبر1نے بذریعہ ٹیلیفون انہیں بتایا کہ صدر غلام اسحٰق خان مرحوم اُن سے ملنا چاہتے ہیں جس میں صدر کو یہ یقین دہانی کرانی تھی کہ چالیس سے پینتالیس کروڑ کی رقم کا انتظام ہوسکتا ہے ۔لہٰذا ایک ملاقات شاید بلوچستان ہاؤس اسلام آباد میں طے ہوئی جس میں صرف تین افراد جو کہ صدر، مسئول الیہہ نمبر1اور وہ خود (مسئول الیہہ نمبر3) موجود تھے۔صدر نے ہدایات دیں کہ مجوزہ رقوم کا انتظام قومی مفاد میں کسی بھی صورت میں کیا جانا ضروری ہے ۔

32۔ جناب روئیداد خان CMA No. 3196/2012 کے ذریعے مسئول الیہہ نمبر1کے شریکِ جواب بنے اور ایک ضمنی بیان بذریعہ CMA No. 4350/2012 داخل کیا جس میں انہوں نے کسی بھی قسم کی رقم کی تقسیم میں ملوث ہونے سے انکار کیا۔ ان کے مطابق وہ اس قسم کے کسی بھی سیل کے رکن نہیں رہے اور وہ مسئول الیہہ نمبر2 سے ایک دفعہ صدر کے ملٹری سیکریٹری کے دفتر میں ملے تھے لیکن مسئول الیہہ نمبر1 سے اس دوران میں کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

33۔ مسئول علیہان نمبر1,2اور 3 کی جانب سے داخل کردہ جوابات اور حلف ناموں جو کہ پہلے بیان کئے جا چکے ہیں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صدر غلام اسحٰق خان نے اپنی سرپرستی میں ایک انتخابی سیل قائم کیا ۔مسئول الیہہ نمبر3کے مطابق مسئول الیہہ نمبر1نے انہیں مطلع کیا کہ وہ صدر کے انتخابی سیل کی ہدایات کے مطابق 1990ء کے انتخابات میں مدد فراہم کرنے کی غرض سے چودہ کروڑ روپے کا انتظام کریں اور اِس رقم کو مسئول علیہہ نمبر2کے حوالے کر دیں جو کہ صدر کے انتخابی سیل کی ہدایات کے مطابق اسے استعمال کریں گے۔رقم ملٹری انٹیلی جنس کے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرائی گئی بلکہ مختلف خفیہ اکاؤنٹس آئی ایس آئی کی سرپرستی میں 202سروے سیکشن

(برگیڈئیر حامد سعید) کی جانب سے کھولے گئے اور ایک سو چالیس ملین (چودہ کروڑ) ان اکاؤنٹس میں براہِ راست مسئول علیہہ نمبر3 کی جانب سے جمع کرائے گئے ۔مسئول علیہہ نمبر2 نے مسئول علیہ نمبر1 کی جانب سے ملنے والی ہدایات کے بعد اس رقم کومختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں اور دوسرے افراد جن کے بارے میں انتخابی سیل سے ہدایات موصول ہوئیں کے درمیان تقسیم کیا۔مسئول علیہہ نمبر1 نے صدر غلام اسحٰق خان سے میٹنگ کے دوران ان کے علم میں یہ حقیقت لائی کہ مسئول علیہہ نمبر3 نے یہ رقم فراہم کی اور مسئول علیہہ نمبر2 نے صدر کے انتخابی سیل کی ہدایات پر اس کو استعمال کیا۔ امیدواروں کو مالی امداد فراہم کرنے کی پالیسی صدر کا انتخابی سیل تشکیل دیتا تھا اور مسئول علیہہ نمبر2اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے مختلف اوقات میں رقوم کی ادائیگی کرتے تھے۔ ایک سو چالیس ملین (چودہ کروڑ) جو کہ خفیہ اکاؤنٹس میں جمع کرائے گئے تھے تقریباً ساٹھ ملین(6 کروڑ) انتخابی مقاصد کیلئے استعمال کئے گئے ۔ جبکہ اسی ملین (آٹھ کروڑ) آئی ایس آئی کے اسپیشل فنڈ کے اکاؤنٹ میں جمع کرائی گئی۔

34۔ ریکارڈ پر پیش کی گئی دستاویزات خاص طور پر مسئول علیہ نمبر 2 کی جانب سے داخل کردہ حلف نامہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک سو چالیس ملین روپے کی رقم کا انتظام کیا گیا جس میں سے 60 ملین مسئول علیہ نمبر1اور اُس وقت کے انتخابی سیل جس کا انتظام ایوانِ صدر میں چلایا جا رہا تھا کی ہدایات پر تقسیم کی گئی اور بقایا رقم آئی ایس آئی کے سپیشل فنڈ میں منتقل کر دی گئی۔ مزید یہ کہ بینک اکاؤنٹ 313 سروے اینڈ کنسٹرکشن گروپ کراچی کے نام سے کھولا گیا اور یہ رقم مذکورہ اکاؤنٹ میں جمع کرائی گئی ۔ ریکارڈ پر دستاویز موجود ہے جس کا ثابت ہونا اگرچہ ابھی باقی ہے لیکن جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً تیس ملین کے قریب رقم مسئول علیہ نمبر1 کی ہدایات پر ایک تنظیم جو کہ ''**فرینڈز**'' کے نام سے جانی جاتی ہے کے اکاؤنٹ میں جمع کرائے گئے اور جنرل آصف نواز جنجوعہ جو اس وقت چیف آف آرمی سٹاف تھے کے ایماء پر یہ رقم مذکورہ اکاؤنٹ میں جمع کرائی گئی۔مئورخہ 17-10-2012 کو کمانڈر حسین شہباز جو کہ وزارتِ دفاع کے نمائندے تھے کو ہدایت دی گئی کہ وہ متعلقہ محکموں سے معلومات لے کر بتائیں کہ باقی ماندہ رقم ابھی ان اکاؤنٹس میں موجود ہے یا خرچ کی جا چکی ہے اور اگر خرچ کی جا چکی ہے تو اُس کی تفصیلات بھی بیان کی جائیں لیکن مواقع حاصل کرنے کے باوجود معلومات فراہم نہ کی جا سکیں۔

35۔ اب اوپر بیان کردہ مواد کی موجودگی میں سب سے پہلے محمد اکرم شیخ سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ فاضل

وکیل مسئول علیہ نمبر1 کی جانب سے مذکورہ درخواست کے قابلِ سماعت ہونے کے سوال کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہے۔ فاضل وکیل نے بحث کی کہ مسئول علیہ نمبر1اور 2 کے خلاف درخواست کا دائر کیا جانا آئین کے آرٹیکل 184/3 کے تحت اس عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔ جو کہ عدالت کو صرف اسی صورت میں حاصل ہے کہ جب معاملہ عوامی اہمیت کا حامل ہو یا اس میں بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔انہوں نے بیان کیا کہ وہ 1997میں بھی یہ اعتراضات اپنے مختصراً بیان اور اپنے جواب میں بذریعہ CMA No. 785 of 1997 اٹھا چکے ہیں۔

36۔ مذکورہ بالا اعتراضات کے جواب میں سلمان اکرم راجہ فاضل ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے بحث کی کہ موجودہ کاروائی انتہائی عوامی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ شہریوں کے بنیادی حقوق جو کہ انہیں آئینِ پاکستان 1973ء کے تحت حاصل ہیں مثلاً معلومات کے حصول کا حق (آرٹیکل19(a))، وابستگی کا حق (آرٹیکل 17) وغیرہ سے متعلق ہے جن کی موجودہ مقدمے میں خلاف ورزی کی گئی ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل نظائر پر انحصار کیا:

a) Benazir Bhutto v. The Federation (PLD 1988 SC 416) at 518-533.

b) Mian Nawaz Sharif v. The President (PLD 1993 SC 472) at 558, 559.

c) Nawabzada Iftikhar Ahmad Khan Bar v. Chief Election Commissioner Islamabad (PLD 2010 SC 817) at 826.

d) Muhammad Rizwan Gill v. Nadia Aziz (PLD 2010 SC 828) at 838.

e) Workers' Party v. The Federation (Constitutional Petition No.

87 of 2011) at paras 38, 46, 49.

37۔ فاضل وکیل نے مزید بحث کی کہ مقدمے کی موجودہ کاروائی سے یہ بات عیاں ہے کہ اُس وقت جمہوری نظام ریاست کے کچھ عہدیداران کی جانب سے شہریوں کو آئین کے آرٹیکل 17 کو اگر آرٹیکل 2(a) کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے کے تحت حاصل بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جمہوری طریقہ کار میں مداخلت کی گئی جو کہ آئین کو سبوتاژ کرنے مترادف ہے۔ جو کوئی بھی لوگ اس میں شامل ہیں بشمول مسئول علیہہ نمبر 1 اور 2 اور ان کے بہت سے ماتحت افسران جیسا کہ برگیڈئیر (ر) حامد سعید جو اس وقت سندھ میں ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ تھے اور دیگر دوسرے جنہیں رقوم کی تقسیم کے فرائض سونپے گئے جن کے نام مسئول علیہہ نمبر 2 اور برگیڈئیر (ر) حامد سعید کے پاس موجود ہیں۔

38۔ فاضل وکیل نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ میاں نواز شریف کے مقدمے میں بیان کردہ قانون کی روشنی میں اور مسئول علیہان کی جانب سے اقبالِ جرم کئے جانے کی صورت میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ یہ عمل آئین کے آرٹیکل 17 کی خلاف ورزی اور اسی طرح سے خود آئین کی خلاف ورزی ہے ۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ عوام کے بنیادی حقوق کے نفاذ کیلئے اس عدالت نے نہ صرف مختلف تصریحات کی ہیں بلکہ بہت سی اہم ہدایات بھی متعلقہ محکموں کو جاری کی ہیں کہ وہ اُن تمام لوگوں کے خلاف دیوانی ، فوجداری اور انتخابی قوانین کے تحت کاروائی کریں جو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں اس سے متعلق انہوں نے مندرجہ ذیل عدالتی نظائر پر انحصار کیا:

a) Alleged Corruption in Rental Power Plants (2012 SCMR 773). National Accountability Bureau asked to carry out prosecution.

b) NRO Implementation proceedings (2012 SCMR 1434), (PLD 2012 SC 866).

c) Wattan Party v. The Federation (Memo Matter) (PLD 2012 SC 292). High powered commission formed.

انہوں نے مزید بیان کیا کہ یہ عدالت آئین کے آرٹیکل (3)184 کے تحت اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ریکارڈ پر موجود واقعات وحقائق کی روشنی میں عدالت درخواست گزار کی داد رسی کرنے کی مکمل اہلیت رکھتی ہے۔ اپنی اس دلیل کیلئے انہوں نے مندرجہ ذیل نظائر کا حوالہ دیا:

a) **وطن پارٹی بنام وفاق (میمو معاملہ) PLD 2012 SC 292** صفحہ نمبر 359, 360

b) **وطن پارٹی بنام وفاق (کراچی ازخود نوٹس)، PLD 2011 SC 997** صفحہ 1055, 1112

c) **شاہد اورکزئی بنام وفاق، PLD 2011 SC 365** پیرا 28

d) **مسز امتُل بیگم بنام محمد ابراہیم شیخ، 2004 SCMR 1934** پیرا 8

فاضل وکیل نے مزید بیان کیا کہ موجودہ کاروائی خلاف قانون نہیں ہے کیونکہ یہ پاکستان کی عوام کے سامنے وہ حقائق لائے گی جو ماضی میں رونما ہو چکے ہیں اور جن کی بناء پر مستقبل میں اس قسم کی آئینی خلاف ورزیوں سے بچا جا سکے گا۔ آئین کا آرٹیکل 19(a) عوام کے حقِ معلومات کی ضمانت دیتا ہے۔ موجودہ مقدمے میں درخواست گزار صرف ایک معلومات مہیا کرنے والا ہے اور اگر عدالت ان استدعاؤں سے متاثر نہیں ہوتی یا اگر درخواست گزار کی استدعائیں پاکستان کی عوام کیلئے اہم نہیں ہیں تو یہ عدالت پر ہے کہ وہ درخواست گزار کی دادرسی کرے۔ آرٹیکل (3)184 کے تحت جو دادرسی درخواست گزار کو دی جا سکتی ہے اس سے متعلق فاضل وکیل نے مقدمہ شاہد اورکزئی بنام وفاقِ پاکستان بذریعہ سیکریٹری قانون (**PLD 2011 SC 365**) کا حوالہ دیا جس میں عدالت نے مندرجہ ذیل فیصلہ دیا:

''28۔ چونکہ مسئول علیہ کا بطور چیئرمین قومی احتساب بیورو گزشتہ تقرر اور اُن کے موجودہ تقرر کا رد کیا جانا موجودہ درخواستوں کی سماعت اور التواء کے دوران عمل میں لایا گیا اور وفاقِ پاکستان کی جانب سے عدالت کے علم میں یہ بات لائی گئی لہٰذا درخواست دہندگان کی جانب سے درخواست میں متعلقہ

پیشرفت کے مطابق درست کرنے کی ضرورت محسوس کئے بغیر ہم نے اس پیشرفت کو التواء میں پڑے معاملے کا حصہ مان لیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ حقیقتاً اس معاملے میں قانون ثابت شدہ ہے کہ عدالت نہ صرف کسی التواء میں پڑے مقدمے میں ہونے والی پیشرفت کا نوٹس لے سکتی ہے بلکہ وہ داد رسی کو پیشرفت کے مطابق تبدیل بھی کر سکتی ہے اور کسی بھی فاضل وکیل نے جو کہ مختلف فریقین کی جانب سے پیش ہو رہے تھے اس قانونی صورتحال سے اختلاف نہیں کیا، نہ ہی انہوں نے اس طریقہ کار پر سوال اٹھایا جو کہ عدالت نے اس معاملے میں اختیار کیا۔''

39۔ ہم نے درخواست گزار کے فاضل وکیل، مدعاعلیہ نمبر 1 اور فاضل اٹارنی جنرل کو سنا ہے۔ موجودہ مقدمہ کے حوالے سے مسٹر جسٹس محمد افضل ظلہ، جج جو کہ بعد میں (مرحوم چیف جسٹس) تھے ''**بینظیر بھٹو بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1988 SC 416)**'' کی رائے کہ آئین کا آرٹیکل (2)17 کے تحت کسی شہری کو اس کی مرضی کے خلاف جبراً آزادانہ طور پر پاکستان کے معاملات اور حکمرانی سیاسی سرگرمی کے ذریعے حصہ لینے کے خلاف ایک بنیادی ضمانت فراہم کرتا ہے جو کہ بہت اہم ہے۔ ایک مقدمہ ''**بینظیر بھٹو بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1989 SC 66)**'' میں جسٹس نسیم حسن شاہ نے اپنے اتفاقی نوٹ میں قرار دیا کہ سیاسی پارٹی بنانے یا اس کا رکن بننے کا حق جس کی ضمانت آئین کے آرٹیکل (2)17 کے تحت ہے الیکشن لڑنے کا حق اور الیکشن میں حصہ لینے کا حق شامل ہے۔'' **میاں محمد نواز شریف بنام وفاقِ پاکستان PLD 1993) (SC 473)**'' کے مقدمہ میں اس عدالت نے بینظیر بھٹو کے مقدمہ (متذکرہ بالا) پر انحصار کرتے ہوئے یہ قرار دیا تھا کہ آئین کی سکیم میں "**سیاسی پارٹی کی تشکیل**" کی ضمانت کے تحت ضروری ہے کہ سیاسی پارٹی کو حق حاصل ہے کہ وہ گورنمنٹ بنائے اس صورت میں کہ اس سیاسی پارٹی کو اسمبلی میں مطلوبہ اکثریت حاصل ہو۔ یہ مزید قرار دیا گیا کہ اگر ایک سیاسی پارٹی کی حکومت کو ایک قانونی حکم کے ذریعے ناکام کر دیا جائے تو ایسا حکم سیاسی پارٹی کے احسن انداز میں کارکردگی کے لیے رکاوٹ کا باعث ہے اس لیے آرٹیکل (2)17 کے تحت حاصل شدہ بنیادی حق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا گیا۔ یہی رائے اس عدالت نے ایک مقدمہ ''**محمد ناصر**

محمود بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2009 SC 107) ''میں دھرائی۔ حال ہی میں اس عدالت نے مقدمہ ''**بعنوان ورکرز پارٹی پاکستان بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2012 SC 681)**'' میں قرار دیا کہ آرٹیکل 2A میں یہ صریحاً درج ہے کہ جمہوریت کے اصول، آزادی، مساوات، برداشت اور سماجی انصاف جیسے کہ اسلام نے بتائے ہیں کو مکمل طور پر ریاست پاکستان میں اپنایا جائے گا اور ان اصولوں کا تحفظ اور ترویج پاکستانی آئینی حکم کا بنیادی مقصد اور لازمی جزو ہے۔ یہ مزید قرار پایا کہ یہ آئینی حکم واضح کرتا ہے کہ "**اقتدار کو صرف پاکستان کی عوام استعمال کر سکتی ہیں۔ پاکستان میں جمہوری اصولوں کی پابندی کو تحفظ حاصل ہونے کی وجہ سے اور یہ اختیار دینا کہ ریاست اپنی طاقت اور اقتدار کا استعمال اپنے منتخب شدہ نمائندوں کے ذریعے کرے گی آئین بیان کرتا ہے کہ اس اختیار کا استعمال ایک جمہوری حکومت کے نمائندے کے ذریعے ہو گا۔ مزید یہ کہ اختیارات کے تعین اور تصریح اور طریقہ کار جس کے تحت مقننہ نے کام کرنا ہے آئین پاکستان کے پارٹس II اور III میں مروّجہ ہیں جو جمہوریت کو عوام کا منتخب شدہ نظام اور آئین کی حقیقی منشاء قرار دیتے ہیں۔ جمہوریت بطور حکمرانی کا نظام اور اسلام میں بیان کردہ بنیادی حقوق کی ترویج اور تحفظ کے مابین علامتی تعلق ان دونوں آئینی احکامات کو آئین کا لازمی جزو قرار دیتا ہے اور مظبوط بناتا ہے۔ مذکورہ بالا تناظر میں یہ بات دھرائی گئی کہ تنظیم کی آزادی جیسا کہ آئین کے آرٹیکل 17 میں درج ہے ہر فرد کو بنیادی حق فراہم کرتا ہے کہ وہ ریاست کی سیاسی حکمرانی میں شرکت کرے جبکہ جمہوری ریاست کے ذریعے اس آئینی مینڈیٹ کا مقصد اس حق کو تحفظ و ترویج دینا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 51(6)(a) کا تقاضہ ہے کہ عوامی نمائندوں کو براہِ راست اور آزادانہ ووٹ کے ذریعے قانون کے مطابق منتخب کیا جائے گا**" اس لیے صاف، آزادانہ، شفاف اور منصفانہ الیکشن جمہوریت کی مضبوطی کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ یہ ذکر کیا گیا کہ آئین کے آرٹیکل 17 کے تحت سیاسی پارٹی تشکیل دینے کے حق میں یہ شامل ہے کہ وہ آزادانہ اور شفاف الیکشن میں حصہ لے اور اگر وہ پارٹی الیکشن کے مراحل میں حصہ لینے کی بناء پر کامیاب قرار پاتی ہے تو وہ حکومت بنائے اس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کا ہر شخص اور ہر گروپ الیکشن میں احسن

انداز میں بطور ووٹر اور امیدوار بغیر کسی رکاوٹ ، جبر اور خوف وخطر حصہ لے۔نتیجتاً الیکشن میں شرکت اور حکومت کی تشکیل کے حق میں غیر آئینی تخفیف آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت حاصل شدہ حق کی خلاف ورزی تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس بات پر زور دیا گیا کہ آئین کے آرٹیکل 17(2) اور آرٹیکل 25 کو یکجا پڑھنے سے انتخابات کے انعقاد کے لیئے ایک معیاری طریقہ کار کا تعین ہوتا ہے۔ آزادانہ اور شفاف انتخابات کا اصول بھارت کی عدالت نے مقدمہ **اِندرا نہرو گاندھی بنام راج نارائن (1975)=(AIR 1972 SC 1302) Supp.1 SCC 1)** میں بھی بیان کیا گیا جس میں عدالت نے آئین کو اس بناء پر کالعدم قرار دے دیا کہ وہ اس اصول کے خلاف تھا۔بعد میں **پیپلز یونین فار سول لبرٹیز بنام وفاقِ ہندوستان (2009)** کے مقدمہ میں یہ قرار دیا کہ جمہوریت میں تصور کیا جاتا ہے کہ الیکشن آزادانہ اور شفاف ہونے چاہئیں اور ووٹرز اس حالت میں ہوں کہ وہ اپنی مرضی کے امیدواروں کو ووٹ ڈال سکیں اس لیے یہ لازمی ہے کہانتخابات میں دھاندلی اور سازباز نہ ہو اور امیدوار یا ان کے ایجنٹس کو نامناسب ذرائع استعمال کرنے اور بے ضابطگیاں کرنے کی اجازت نہ ہو۔

40۔ جیسا کہ اوپر پہلے ذکر کیا گیا ہے صدر غلام اسحاق خان نےPPP حکومت کوآئین کے آرٹیکل 58(2)(b)میں حاصل شدہ اختیارات کے تحت مورخہ 06-08-1990 کو برخاست کر دیا اور نئے انتخابات مورخہ 24-10-1990 کو کروانے کا اعادہ کیا اورمسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی (مرحوم) کو قائم مقام وزیرِاعظم بنایا گیا تھا۔ PPP کے مقابلے میں انتخابات لڑانے کے لیے ایک سیاسی اتحادIJI کے نام سے بنایا گیا تھا۔ اس وقت کے صدرِ پاکستان غلام اسحاق خان نے PPP کے ساتھ رنجش اور مخالفت کی وجہ سے ایوانِ صدر میں قائم شدہ الیکشن سیل کے ذریعے IJI کی حمایت کی۔ اس مقصد کے لیے فنڈز فراہم کیے گئے اورISI/IB کے ذریعے مختلف سیاستدانوں/ سیاسی پارٹیوں میں تقسیم کیے گئے۔ اس طرح1990 کیا انتخابات کو تبدیل کیا گیا اور جیسا کہ درخواست گزار کے فاضل وکیل نے بیان کیا۔ PPP نے قومی اسمبلی میں پچھلے انتخابات کے مقابلے میں آدھی نشستیں حاصل کیں۔ اس طرح عوام کو آئین کے آرٹیکل 17 کے تحت حاصل شدہ بنیادی حق سے محروم کیا گیا کہ وہ آزادانہ ، شفاف اور منصفانہ الیکشن میں حصہ لے سکیں، خاص طور پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی تشکیل میں جہاں ایک ایسے شخص نے مداخلت کی جو کہ ریاست کا سربراہ تھا اور آئین کے آرٹیکل 41(1) کے تحت اتحاد کا مظہر تھا اور

وہ اپنی مرضی کے مطابق سیاسی پارٹیوں کے ایک گروہ کے ذریعے حکومت بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

41۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجود کاروائی اس وقت کے چیف جسٹس کے نام ایک خط جو کہ ایک سیاسی کارکن کی طرف سے تھا پر شروع کی گئی جو پہلے پاکستان فضائیہ میں ایک آفیسر تھا اور جو اعلیٰ حکام جس میں سربراہ مملکت، چیف آف آرمی سٹاف، ڈی جی آئی ایس آئی کے مخصوص اقدامات کو عدالت کے علم میں لایا۔ بنیادی الزام یہ تھا کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایک سیاسی گروہ کو فائدہ پہنچانے کے مقصد کیلئے انتخابات میں دخل اندازی کی جس کے نتیجے میں لوگوں کا بنیادی حق جس کے تحت وہ شفاف آزاد اور منصفانہ طریقے سے اپنے نمائندے منتخب کر سکتے ہیں، کی خلاف ورزی کی گئی۔ اس الزام کی جانچ پڑتال کیلئے اس معاملے کو انسانی حقوق کے مقدمے کے طور پر داخل کیا گیا اور فنڈ کی تقسیم میں ملوث لوگوں جن پر الزام تھا، کو سمن جاری کئے گئے۔ ان سب نے یہ واضح طور پر تسلیم کیا کہ رقم سیاستدانوں کے ایک گروہ کو دی گئی تھی۔ ایسے افراد جو مسلح افواج بالخصوص آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس کے رکن ہیں تاکہ انتخابات کے نتائج کو تبدیل کیا جاسکے جو کہ آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت دیئے گئے بنیادی حق جسکی وضاحت وتشریح متذکرہ بالا فیصلوں میں کی گئی ہے کی خلاف ورزی ہے۔ یہ مقدمہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت دیئے گئے اختیارات کے تحت عدالتِ ہٰذا کو آئین کے تحت عوام کو حاصل بنیادی حقوق کے تحفظ کا اختیارحاصل ہے لہٰذا درخواست کیے قابلِ سماعت ہونے کے اعتراض کو ردکر دیا گیا اور اسکو قابل سماعت قرار دیا گیا۔ اس بات کا بھی مشاہدہ کیا گیا کہ یہ کاروائی جو مفاد عامہ کے متعلق ہیں یہ خالصتاً تحقیقی ہیں نہ کہ کسی نقصان پہچانے کی غرض سے ہیں۔ لہٰذااس عدالت پر یہ ذمہ داری عائد نہ ہے کہ اس معاملے میں ملوث تمام افراد کو نوٹس جاری کئے جائیں۔ یہ طے شدہ ہے کہ وہ معاملات جو تحقیقی کاروائی کے متعلق ہو انکی سماعت کے متعلق عدالتِ ہٰذا کو وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مقدمات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے:

وطن پارٹی بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2011 SC 997)

آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی بنام وفاقِ پاکستان (PLD SC 1) اور

ورکرز پارٹی بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2012 SC 681)

42۔ فاضل اٹارنی جنرل نے اپنے دلائل میں موجود ججز کے بینچ پر شدید تحفظات کا اظہار کیا، اس لئے ان کے مطابق اگر انصاف ہوتا ہوا نظر آنا چاہئے تو پھر بینچ کے تین اراکین کو سابقہ وابستگیوں کی بناء پر مقدمے سے الگ ہو جانا چاہئے اور جناب چیف جسٹس ایک نیا لارجر بینچ ترتیب دیں جس میں موجودہ تین اراکین شامل نہ ہوں۔

43۔ اس کیس میں جو سوالات حل طلب ہیں ان کو اس عدالت کے سامنے پیش کئے گئے مواد کی بنیاد پر حل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان کی طرف جانے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ فاضل اٹارنی جنرل کی طرف سے لارجر بینچ ترتیب دینے اور ججز کے جانبدار ہونے کیا اعتراض کو دور کیا جائے۔

44۔ اس طرح کا اعتراض ایک کیس **پاکستان بنام عبدالولی خان (1975 PSCR 1)** میں اٹھایا گیا تھا جس میں کیس کی سماعت کرنے والے بینچ کے دو اراکین پر اعتراض کیا گیا تھا۔ مقدمے کے صفحہ 214 میں درج ذیل بات بیان کی گئی:۔

''بینچ کی تشکیل پر کئے گئے اعتراض کے بارے میں پہلے ہی دن فاضل وکیل کو مطلع کیا گیا کہ کسی قانونی چارہ جوئی میں شامل کوئی پارٹی اس حق کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس کی مرضی کا جج یا جج صاحبان اس کے مقدمے کو سُنیں۔ اعلیٰ عدالتوں کے معاملے میں از خود متعلقہ جج یا جج صاحبان کا فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص کیس میں بیٹھیں یا نہیں۔ جناب ولی خان صاحب کو بتایا جا چکا ہے کہ دونوں فاضل جج صاحبان، جن کے متعلق اعتراض کیا گیا تھا اب تحریری طور پر لکھ چکے ہیں جو کہ ریکارڈ کا حصہ بنا دیا گیا ہے کہ وہ اس معاملے کی شنوائی میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ ہماری نظر میں یہ اعتراض غیر متعلقہ ہے۔ متعلقہ جج صاحبان اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ وہ کسی بھی طرح اس ریفرنس کی شنوائی کے لئے نا اہل ہوں۔ لہذا اس اعتراض کو مسترد کیا جاتا ہے۔''

مقدمہ **''اسد علی بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1998 SC 161)''** میں درج ذیل فیصلہ دیا گیا:۔

''محض واقعاتی علامات کی بنیاد پر کسی درخواست گزار کے ذہن میں اُٹھنے والے خیال کہ اُسے انصاف نہیں ملے گا، کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اخذ کردہ حقائق سے یہ نتیجہ ظاہر ہونا چاہئے کہ تعصب

بڑھتا جائے گا۔ کسی بھی صورت کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ایک اعلیٰ عدالت کی غیر جانبداری پر حملہ کرے اور نتیجتاً اس بات کو ثابت نہ کر سکے تو وہ توہین عدالت کا مرتکب ہو گا۔ عدالت عظمیٰ کے ایک جج کے خلاف کسی فریق کے تعصب کی درخواست پر ایس اے رحمٰن، جج، جو کہ ایم ایچ کھونڈکر کا کیس سننے والے بینچ میں شامل تھے درج ذیل نتیجہ نکالتے ہیں:۔

اس حوالے سے پاکستان بار کونسل کے پیشہ ورانہ ضابطے کے قواعد Cannon Professional Conduct an etiquette of Pakistan bar Counsel کے باب نمبر 3 پر بھی انحصار کیا جا سکتا ہے:

1۔ یہ ایک وکیل کی ذمہ داری ہے کہ وہ عارضی طور پر نہیں بلکہ اس کی انتہائی اہمیت کو قائم کرنے کے لئے عدالت کے لئے عزت مندانہ رویہ اختیار کرے۔ غیر منصفانہ تنقید کا سامنا کرنے کے لئے جج صاحبان کو بار کی مدد درکار ہوتی ہے کیونکہ وہ آزادانہ طور پر اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ ایک وکیل کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی شکایات کا خاتمہ کرے جو کسی بھی جوڈیشل آفیسر کے خلاف درست بنیادوں پر قائم کی گئی ہوں اور قانونی طور پر شکایت گزار اور متاثرہ فرد کا تحفظ کرے۔

لہٰذا یہ بات طے شدہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے کیسز میں یہ بات ججز پر منحصر ہوتی ہے کہ آیا وہ کسی مخصوص کیس کی سماعت میں بیٹھیں گے یا نہیں۔ موجودہ کیس میں فاضل اٹارنی جنرل کے اعتراضات قیاس پر مبنی ہیں اور غیر مجاز ہیں خصوصاً جب کہ فاضل اٹارنی جنرل موجودہ کیس میں ازخود پیش ہو رہے ہیں اور اس کی کاروائی میں شریک رہے ہیں جب سے موجودہ بینچ نے کیس کو اسی سال کے اپریل سے شروع کیا ہے۔ اس دوران تقریباً 30 بار اس کیس کی سماعت ہو چکی ہے۔ بہر حال موجودہ بینچ کے ممبران اپنی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر آگاہ ہیں اور انصاف کی فراہمی کے لیئے بغیر کسی حمایت یا ناانصافی کے کام کر سکتے ہیں۔ فاضل اٹارنی جنرل کا اعتراض بلاوجہ ہے لہٰذا اسے رد کیا جاتا ہے۔

45۔ اس کیس کی سماعت کے دوران یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس وقت کے صدر پہلے تو نا جائز ذرائع سے فنڈز رکھنے میں ملوث رہے اور پھر ان پیسوں کو چند سیاسی جماعتوں اور مختلف لوگوں میں آرمی کے ذریعے تقسیم کیا تا کہ انتخابات کے نتائج اپنی مرضی کے مطابق حاصل کر سکیں اور یہ سب ملکی مفاد کے نام پر کیا گیا جبکہ یہ سب لوگوں کے بنیادی حق کی خلاف ورزی تھی جس کے تحت وہ آزادانہ طور پر اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ چنانچہ

یہ عدالت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ آئین میں صدر کے کردار کی تشریح کرے۔''

46۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ملک میں فوجی حکومت ہو یا سویلین، صدر مملکت کا دفتر سیاست میں ملوث رہا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آئین میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں جس کی وجہ سے جمہوری نظام کمزور ہوا ہے اور ملک آئین کے تحت پھل پھول نہیں سکا۔ سیاسی پیچیدگیوں کو اس عدالت نے مقدمہ **سندھ ہائیکورٹ بار بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2009 SC 879)** میں درج ذیل طریقے سے بیان کیا ہے:۔

''17... اس سلسلے میں سب سے بڑا واقعہ پاکستان کی آئینی اسمبلی کی تحلیل کا ہے جو کہ گورنر جنرل غلام محمد نے 1954ء میں کی،.....گورنر جنرل کا یہ قدم مولوی تمیز الدین خان، صد ر آئینی اسمبلی نے سندھ چیف کورٹ میں چیلنج کیا۔ سندھ چیف کورٹ نے اس درخواست کو منظور کیا اور اسمبلی کی تحلیل کو غیر قانونی قرار دیا۔ یہ فیصلہ دیا گیا کہ جب آئینی اسمبلی وفاقی قانون کے تحت کام نہ کر رہی ہو تو اس کے لے گورنر جنرل کی تائید ضروری نہیں ہے۔ وفاقِ پاکستان نے سندھ چیف کورٹ کے اس فیصلہ کو وفاقی عدالت میں چیلنج کر دیا۔ وفاقی عدالت نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کو اس بنیاد پر مسترد کر دیا کہ گورنر جنرل کی تائید تمام قوانین اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 میں کی گئی تمام ترامیم کے لئے ضروری ہے۔ عدالت نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ چونکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ 223-A جس کے تحت سندھ چیف کورٹ نے گورنر جنرل کی تائید حاصل کی تھی وہ اس وقت تك قانون ہی نہیں تھا اور اس کے لئے یہ معاملہ چیف کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔

23۔ اگلا مقدمہ Refrence by H.E. the Governer General جو PLD 1955 FC 435 میں شائع ہوا کا حوالہ اہمیت رکھتا ہے ۔ وفاقی عدالت نے مولوی تمیز الدین کیس میں قرار دیا کہ آئین ساز اسمبلی کے تمام رائج کردہ قوانین کے لئے گورنر جنرل کی منظوری ضروری ہے گورنر جنرل نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی

دفعہ 42کے تحت ، Emengency Powers Ordinance 1955 (Ordinance No. IX of 1955 کے ذریعے ایسے تمام قوانین کو افعال موثر بہ ماضی کے طور پر اپنی رضامندی دے کر قانونی بنانا چاہتا تھا۔ وفاقی عدالت نے یوسف پٹیل کیس میں قرار دیا کہ تمام قوانین کوجو اس آرڈنینس کے شیڈول میں شامل ہیں ، گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے دفعہ 42 کے تحت قانونی حثییت دی جاسکتی اور نہ ان کوا فعال موثر بہ ماضی کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ حامل اہمیت حقیقت یہ تھی کہ آئین ساز اسمبلی کا وجود ختم ہوا تھا۔ کیونکہ گورنر جنرل نے ، 24 اکتوبر 1954 کو ایمرجنسی کا نفاذ کر کے اسمبلی کو تحلیل کر دیا تھا لہذا ان قوانین کو قانونی حیثیت کی توثیق کرنی والے قانون کا وجود بھی ختم ہو چکا تھا۔

24۔ گورنر جنرل نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ 213 کے تحت وفاقی عدالت کو اس سوال پر رائے مانگنے کے لئے ایك ریفرنس بھجوایا کہ آیا آئین کی کسی شق یا کسی اور قانون(جو موزوں حالات ہو) کے تحت گورنر جنرل ، ایك حکم کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے ، ان تمام حکامات ،فیصلوں اور ان قوانین کے تحت بنائے گئے ضوابط کو قانونی حیثیت دے سکتا ہے اور نافذالعمل بنا سکتا ہے ۔تاکہ وہ قوانین (جو ریاست کے لئے باعثِ خطرہ نہ ہو) جو ایمرجنسی کے نفاذ کی وجہ سے موجودہ قانونی نظام سے ختم ہو گئے ہیں ہے کوجب تك ان کی قانونی حیثیت کا نقطہِ سوال دستوری عمل کے ذریعے حل نہیں کرتے اسوقت تك ملکی قوانین کا حصہ سمجھا جائے ۔

25۔ وفاقی عدالت کا اکثریتی جواب یہ تھا کہ ریفرنس میں بیان کردہ حالات میں، عبوری مدت کے دوران Comman Law of Civil یا نظریہ ضرورت کے تحت گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ Emergency Power Ordinance 1955 کے شیڈول میں دیے گئے فہرستی قوانین کو قانونی حیثیت دے

اور وہ تمام قوانین ، اُس مدت کے دوران قانونی حیثیت رکھتے تھے جب تك ان کے قانونی حیثیت کا نقطه سوال کا فیصله آئین ساز اسمبلی نه کرتی اور وه (قوانین) اسی طرح نافذالعمل تھے جیسے وه اس دن سے قانونی تھے جس دن سے وه بنائے گئے تھے۔

مقدمہ بعنوان ریاست بنام دوسو (PLD 1958 SC 533) کو ذیل میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

28۔ عدالت عظمی نے Hans Kelsen کے پیش کرده نظریے کی بناء پر جنرل ایوب خان کے حکومت سنبھالنے کے عمل کو قانونی قرار دیا اور فیصله دیا که انقلاب حکومت میں تبدیلی لانے کے لئے قانونی عمل تھا اور خاص کر جب عوام نے اُس تبدیلی کو خوش آمدید کہا یه بھی که جہاں ایك آئین اور قومی قانونی نظام کے تحت ، اچانك ایسی سیاسی تبدیلی آتی ہو جو آئین میں مروجه نه ہو تو ایسی تبدیلی ایك انقلاب ہو گا اور اس کے قانونی اثرات نه صرف آئین بلکه قومی قانونی نظام کے لئے باعثِ تباہی ہو گی بلا تفریق یه تبدیلی کون اور کیسے لائے ۔ نتجیتاً ، اکثریتی فیصلوں کے مطابق ان تمام مقدمات کے نتائج که مدِنظر رکھتے ہوئے عدالتی کاروائی کو تنسیخ کیاجاتا ہے اور ہدایات جاری کرتے ہوے عدالت عالیه کے جاری کرده احکامات کوکالعدم قرار دیا جاتا ھے۔

مقدمہ بعنوان **عاصمه جیلانی بنام گورنمنٹ آف پنجاب (PLD 1972 SC 139)** کو ذیل میں زیر بحث کیا۔

32۔ یه فیصله ہوا که Kelsen کا نظریه کسی صورت ایك عالمی تسلیم شده نظریه نه تھا۔ نه یه نظریه موجوده علم فقه کا بنیادی خصوصیت رکھنے کا دعوی کر سکتا ہے نه Kelsen نے کبھی امریت کے حق میں کسی نظریے کو ترتیب دیا ہے۔

33۔ عدالت عظمی نے یحیٰی خان کے حکومت پر قابض ہونے کے عمل کو بالکل غیر قانونی قرار دیا تھا سوال پید ا ہوتا ہے که آیا کوئی عمل بشمول قانون سازی کے

مرحلے اور دوسرے قوانین جو غیر قانونی حکومت کے دوران بنائے گئے ہو ،غلط ہو یا صحیح ان (قوانین) کو اسی طرح سمجھا جائے اور غیر قانونی اور غیر نافذ العمل قرار دیا جائے۔

1977 میں ایک اور آئینی انحراف کے دوران اس عدالت نے ایک کیس ''**بیگم نصرت بھٹو بنام چیف آف آرمی سٹاف (PLD 1977 SC 657)**'' میں یہ قرار دیا کہ افواج پاکستان نے جنرل محمد ضیاء الحق ، چیف آف آرمی سٹاف کی سربراہی میں ملکی سا لمیت کا تحفظ کرنے اور ایسے عناصر کا خاتمہ کرنے کی غرض سے جو کہ ملک کی تباہی کا سبب بن سکتے ہیں مارشل لاء کا قدم اٹھایا۔ یہ بجاطور پر ایک ماوراءِ آئین قدم تھا لیکن یہ عام لوگوں کی سا لمیت اور ریاست کے تحفظ کے لئے اٹھایا گیا۔ اسی وجہ سے مارشل لاء کو جو کہ 5 July, 1977 کی صبح کو لگایا گیا ۔تقریباً تمام لوگوں نے خوش آمدید کہا جو کہ پچھلے چار ماہ سے پھیلی بے یقینی کی کیفیت سے بہت تکلیف میں تھے۔ اس کے بعد آئین سے انحراف کے اقدام کو 1999 میں اسی عدالت نے ایک کیس ''**سید ظفر علی بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2000 SC 869)**'' میں سنا اور مئورخہ 12-5-2000 کو مختصر فیصلے کے تحت 12-10-1999 کے اقدام کو نظریہ ضرورت کے طور پر اور ایک کیس بیگم نصرت بھٹو میں درج اصول suprema lex salus populi est (**بہبودِ عامہ کا قانون سب سے اعلیٰ قانون ہے**) کے تحت جائز قرار دیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ جنرل پرویز مشرف ایسے تمام اقدامات جو کہ ان کے متعین کردہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ جہاں تک آئین میں ترامیم کرنے کے حق کا تعلق ہے اس میں یہ کہا گیا کہ آئین میں ترمیم صرف اس صورت میں کی جائے گی جب آئین ان کے تعین کردہ مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ آئین میں عدالت کی آزادی ، وفاقیت اور وفاقی طرز حکومت جس میں اسلامی شقات شامل ہیں ان میں ترمیم نہیں کی جائے گی۔ 12 اکتوبر 1999 کے بعد تین سال کا وقت انھیں دیا گیا تا کہ وہ اپنے تعین کردہ مقاصد حاصل کر سکیں۔ اس فیصلے کے خلاف محترم وسیم سجاد نے درخواست نظر ثانیِ داخل کی جو کہ مقدمہ ''**وسیم سجاد بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2001 SC 233)**'' میں خارج کردی گئی۔ یہ بات اہم ہے کہ جنرل(ر)پرویز مشرف نے مئورخہ 20-6-2001 کو President's Succession Order 2001 (Chief Executive's Order No. III of 2001) نافذ کیا

جس کے تحت صدر مملکت جناب محمد رفیق تارڑ کو ان کے عہدہ سے ہٹادیا گیا اور مورخہ 21-6-2001 کو ان (رفیق تارڑ) کا دفتر انہوں (پرویز مشرف) نے سنبھال لیا۔

47۔ مسلسل قانون سے انحراف کا سب سے آخری واقعہ ایمرجنسی کا نفاذ اور PCO کا نفاذ تھا جو کہ مورخہ 3-11-2007 کو رونما ہوا جو کہ اس عدالت نے سندھ ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے کیس میں سنا۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ سات ارکان پر مشتمل بینچ نے ایمرجنسی روکنے کے لئے اور PCO لانے کے خلاف اِسی دن حکم صادر کیا اور اعلیٰ عدلیہ کے ججز نے اس صورت حال میں حلف لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے وکلاء کی ایک تحریک کا آغاز ہوا جس کے ساتھ سول سوسائٹی کے لوگ اور میڈیا بھی شامل تھا۔ جن کا مطالبہ تھا کہ عدلیہ کو بحال کیا جائے جو کہ غیر آئینی طریقے سے مورخہ 3-11-2007 کو ختم کردی گئی تھی۔ اس کے بعد مئورخہ 16-3-2009 کو حکومت پاکستان نے عدلیہ کو بحال کر دیا اس کے بعد لاتعداد ایسی درخواستیں جمع کروائی گئیں جن میں صدر/چیف آف آرمی سٹاف جنرل(ر) پرویز مشرف کے اقدام کو چیلنج کیا گیا۔ اس عدالت نے مئورخہ 31-7-2009 کو ان درخواستوں کو قابلِ سماعت گردانا اور سندھ ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے مقدمے میں فیصلہ دیتے ہوئے یہ قرار دیا کہ:۔

22۔ نتیجتاً:۔

(1) چیف جسٹس آف پاکستان، عدالتِ عظمیٰ کے ججز یا عدالت عالیہ کے چیف جسٹس اور عدالت عالیہ کے جج صاحبان جنھیں اوپر بیان کردہ فیصلے یا کسی اور عدالتی فیصلے یا پیرا 21 میں بیان کردہ دستاویزات کے تحت اپنے فرائض سرانجام دینے سے روک دیا گیا تھا، ان کی بابت یہ تصور کیا جائے گا کہ وہ اپنے عہدوں پر ویسے ہی بحال ہیں جیسے پہلے تھے اور انھیں بلا اجراء نوٹیفکیشن تقرر شدہ اور بحال متصّور ہونگے۔

(2) یہ قرار پایا کہ چیف جسٹس آف پاکستان کا عہدہ 3 نومبر 2007ء کو کبھی خالی نہیں ہوا اجس کے نتیجے میں یہ قرار پایا کہ مسٹر جسٹس عبدالحمید ڈوگر کی بطور چیف جسٹس تقرری روزِ اوّل سے ہی غیر آئینی تھی جس کی کوئی قانونی حثیت نہ تھی۔ سوائے ان اعمال کے جو یہاں پر ملحوظ خاطر رکھے گئے

کہ جناب جسٹس عبدالحمید ڈوگر کی بطور چیف جسٹس آف پاکستان غیر آئینی تقرری کے دوران سر انجام دیئے گئے انتظامی یا مالی امور یا دفتری امور کی انجام دہی کے دوران اٹھائے گئے معمولی نوعیت کے حلفوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

(3) مسٹر جسٹس عبدالحمید ڈوگر کبھی بھی آئینی طور پر چیف جسٹس آف پاکستان نہیں تھا۔ اس لیے عدالت عظمی کے ججز اور عدالت عدلیہ کے چیف جسٹس اور عدالت عالیہ کے ججز کی وہ ساری تقرریاں جو اس کے عرصہء ملازمت کے دوران 3-11-2007 سے 22-3-2009 تک اس کی مشاورت سے کی گئیں وہ غیر آئینی اور غیر قانونی تھیں اور ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں لہٰذا انھیں کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ ججز کو غیر آئینی طور پر سپریم کورٹ میں تقرری ہوئی جب وہ کسی عدالت عالیہ کے منصب پر تھے۔ان کی سبکدوشی کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کو واپس عدالت عالیہ کے ججز کے طور پر اپنے سابقہ عہدے پر بھیجا جائے۔ اسی طرح عدالت عالیہ کے وہ ججز جو ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تھے انکی عدالت عالیہ میں غیر آئینی تقرری کے بعد ان کو ان کی سبکدوشی کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے سابقہ عہدوں پر واپس بھیجا جائے ۔

(4) عدالت عظمی کے کوئی ججز، عدالت عالیہ کے چیف جسٹس یا عدالت عالیہ کسی جج جن کی تقرری 3-11-2007 سے پہلے عمل میں لائی گئی مگر انہوں نے عدالت عظمی کے سات رکنی بینچ کی جانب سے مورخہ 3-11-200 کو ایک دیوانی متفرق درخواست نمبر 2869/07 درآئینی درخواست نمبری 73/07 میں دیئے جانے والے فیصلے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حلف اٹھایا۔ ان کے خلاف آئین کے آرٹیکل 209 کے تحت کاروائی کی جائے ۔سیکریٹری لاء ڈویژن اور گورنمنٹ آف پاکستان اس معاملے میں اقدامات اٹھائے۔تاہم مذکورہ بالا فیصلے کا اطلاق ان جج صاحبان پر نہیں ہو گا جنکا تقرر بطور جج یا عدالت عالیہ کا چیف جسٹس مورخہ 03-11-07 سے 22-03-2009 کے دوران کیا گیا ۔مگر بعد میں ان کی نئے سرے سے تقرری آئینی چیف جسٹس آف پاکستان کے مشورہ کے ساتھ یا تصدیق یا رضامندی سے ہوئی۔

5۔ کوئی بھی فیصلہ جات، احکامات یا کوئی ڈگری جو عدالت عظمیٰ کے کسی بینچ نے یا عدالت عالیہ کے کسی بینچ نے جو اوپر واضح کئے گئے جج صاحبان پر مشتمل تھا۔ جن کی تقرریاں شروع سے غیر قانونی پائی گئی انکو مقدمہ ''**ملك اسد علی (PLD 1998 SC 161)**'' میں بیان کردہ اصول کے تحت تحفظ بخشا گیا ہے۔

6۔ پس آئینی ترمیمی 2007ء آرڈر جو کہ صدراتی حکم نمبر (5/2007) آف 2007ء ہے اور اسلام آباد ہائی کورٹ (قیام) آرڈر جو کہ صدراتی حکم نمبر 7/2007 آف 2007ء جس کی رو سے اسلام آباد ہائی کورٹ برائے وفاقی دارلحکومت کو قائم کیا گیا، ان تمام کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے لہذا اسلام آباد ہائی کورٹ کو فوری طور پر ختم کیا جاتا ہے۔ تمام عدالتی معاملات جو اس حکم کے تحت جاری ہونے سے قبل زیرِ سماعت ہیں و ہ متعلقہ عدالتوں میں بھیجے جا رہے ہیں جن کو صدراتی حکم نمبر 5 آف 2007ء اور صدارتی حکم نمبر 7 آف 2007ء مورخہ 14-12-2007 سے قبل اختیارِ سماعت حاصل تھا۔ نتیجتاً اس عدالت کے جج اپنے عہدوں سے فارغ سمجھے جائیں گے ماسوائے ان ججوں یا چیف جسٹس کے جو کسی دوسری ہائی کورٹ کے جج تھے اگر انکی ریٹائرمنٹ میں مدت باقی ہوئی تو وہ سب اپنی متعلقہ عدالتوں میں جائیں گے، اس عدالتِ عالیہ کے تمام افسران اور ملازمین بھی فارغ سمجھیں جائیں گے اور وہ اپنی تقرری کیلئے وفاقی حکومت کے سرپلس پُول (Surplus Pool) کا حصہ ہوں گے تاہم اگر کوئی آفیسر یا ملازم اس سے قبل کسی دوسری عدالت یا ادارے کا ملازم یا آفیسر تھا تو وہ اپنی سابقہ ملازمت پر تصور کیا جائے گا جس میں وہ اسلام آباد ہائی کورٹ میں ملازمت کرنے سے پہلے موجود تھا لیکن یہ بھی اُسکی ملازمت کی عمر مکمل ہونے کے تابع ہوگا۔

ہم یہاں یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ ہائی کورٹ یا فیڈرل کورٹ وفاقی دارلخلافہ کیلئے بنانا شاید ایک اچھا عمل تھا لیکن بدقسمتی سے یہ قدم ایک غیر قانونی اور قابل اعتراض طریقہ کار سے اٹھایا گیا۔ لہٰذا ہم زور دیتے ہیں کہ بلا لحاظِ مذکورہ بالا فیصلہ، متعلقہ مجاز اتھارٹیز آئین اور قانون کے مطابق عدالت کا قیام عمل میں لائے۔

7۔ آرڈیننس جو کہ صدر یا صوبائی گورنر نے 03-11-2007 سے پہلے نافذ کئے ہیں وہ (جُز وقتی آئین)Provisional Constitution نمبر1 ، 2007ء کے تحت اُنکو استقلال دیا گیا تھا اور آرڈیننس جو کہ صدر اور گورنر نے مدت 03-11-2007 اور 15-12-2007 کے درمیان جاری کئے اُنہیں بھی اسی طرح کا تحفظ استقلال حاصل تھا اور جو قانون سازی ''**ٹکا اقبال محمد خان کیس**'' کے ذریعہ محفوظ کی گئی تھی وہ ہمارے فیصلے کیوجہ سے اپنا استقلال کھو چکی ہے اور یہ مفروضہ کہ متعلقہ آرڈیننسز کو آئین کے آرٹیکل 89 اور128 کی رو سے پارلیمنٹ یا متعلقہ صوبائی اسمبلی کی منظوری کی ضرورت نہیں اور اب جبکہ ہم نے ان تمام قوانین کو غیر موثر قرار دے دیا ہے تو آئین کے آرٹیکل 89 اور128 کے مطابق 120 دن اور90 دن آج کے دن سے گنے جائیں گے اور ایسے اقدامات کئے جائیں گے کہ ان آرڈیننسز کو قانون کے مطابق پارلیمنٹ یا متعلقہ صوبائی اسمبلیوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

8۔ آئین کے 176 آرٹیکل کے تحت صرف پارلیمنٹ کو ججوں کی تعداد کا تعین کرنے کا اختیار دیا اور تب سے پارلیمنٹ بذریعہ سپریم کورٹ ایکٹ نمبرXXXIII/1997 کے تحت ججوں کی تعداد کا تعین کیا۔ لہٰذا بذریعہ فنانس ایکٹ2008ء کے تحت بڑھائی گئی ججوں کی تعداد قانونی عمل نہ تھا کیونکہ مذکورہ قانون پارلیمنٹ نے پاس نہیں کیا تھا اسکوقومی اسمبلی نے پاس کیا تھا جو کہ صرف مالی مقاصد کیلئے ہی درست تھااور آئین کے آرٹیکل 176 کے مقصد کو پورانہیں کرتاہے ۔نتیجتاً سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد آئین کے آرٹیکل 176 کے تحت 16 ہی رہے گی۔

9۔ آئین کے آرٹیکل (8)209 میں اعلیٰ عدالتوں کے ججز کیلئے جو ضابطہ اخلاق دیا گیا ہے اس میں ایک نئی شق ڈالی جائے گی جو کہ اس بارے میں ہو گی کہ آئندہ کوئی بھی جج، کسی بھی غیر آئینی عہدے دار جو کہ آئین کے مقرر کردہ ضابطوں کے علاوہ کسی طرح طاقت حاصل کرے گا، کو کوئی بھی مدد فراہم نہیں کرے گا اور اس شق کی خلاف ورزی آئین کے آرٹیکل 209 کے تحت ضابط اخلاق کی خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔

10۔ مندرجہ بالا نکات کی رو سے چونکہ جناب جسٹس عبدالحمید ڈوگر کی آئینی مشاورت اپنی حیثیت کھو

چکی تھی لہٰذا نوٹیفیکیشن مئورخہ 26-08-2008 اور 15-09-2008 جس کی رو سے جناب جسٹس عبد الرشید کالوزاور جناب جسٹس ظفر احمد خان شیروانی کی بطور اضافی جج ہائی کورٹ آف سندھ کی مدت ملازمت میں توسیع کی گئی انکو بھی غیر آئینی قرار دیا جاتا ہے اور انکی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی۔

11۔ یہ کہ عدالت 18 فروری 2008 کو عوامی رائے سے منتخب جمہوری حکومت کو اقتدارِاعلیٰ کی منتقلی کی توثیق اور احترام کرتی ہے اور آئین میں درج اختیارات کی تقسیمِ ثلاثہ کے اصول کی پاسداری کرے گی، جو کہ آئین کے حکمرانی کی روح ہے۔ اس فیصلے میں درج احکامات کسی انداز سے جنرل الیکشن اور اس کے نتیجے میں بنائی گئی حکومت مثلاً صدر، وزیر اعظم، پارلیمنٹ ، صوبائی حکومت اور ان اداروں کے اعمال پر اثرانداز نہ ہو گی۔ان افعال کو قدیم اُصول (Salus populi est suprema lex) یعنی بہبودِ عامہ کا لحاظ سب سے اعلیٰ قانون ہے جسکی تشریح مقدمہ **PLD 1972 Sc 139** میں کی گئی، کے تحت مکمل تحفظ حاصل ہے ۔

12۔ فیصلے کو ختم کرنے سے پہلے ہم یہ اعادہ کرتے ہیں کہ آئین کی دفاع، حفاظت اور بالادستی سپریم کورٹ کا مقدس فریضہ ہے۔آئین کا دیباچہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ملک میں جمہوری حکومت ہو گی،''جہاں پر جمہوریت کے اصول، آزادی، مساوات ، رواداری اور سماجی انصاف جیسا کہ اسلام نے تاکید کی ہے کو بھر پور طریقے سے اپنایا جائے گا۔۔۔یہاں پر عدلیہ کی آزادی کو مکمل طریقے سے محفوظ بنایا جائے گا۔۔۔۔۔۔''

اس فیصلے کو صادر کرتے ہوئے یہ کارآمد اصول ہمیں پابند کرتے ہیں کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ موجودہ جمہوری نظام بشمول صدر، وزیر اعظم اور پارلیمنٹ ان تمام مروجہ اصولوں اور حلف کی پاسداری کریں گے''۔

48۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ متذکرہ بالا فیصلہ میں اعلیٰ عدلیہ کے معزز ججز نے اپنے آپ کو آئین کے حکم کے تابع کیا کہ وہ کسی غیر آئینی حکم کو نہیں مانیں گے۔ اس سے پہلے اکثر فوج کے اس ملک پر حکومت کرنے کو نظریہ ضرورت اور ملک کی ضرورت کا نام دیا جا تا رہا ہے۔

49۔ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اُس وقت ملک غیر آئینی طور پر چلایا جا رہا تھا۔ عدلیہ اور مقنّنہ دونوں مُہم جوؤں کو سہولت فراہم کر رہے تھے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے مقدمہ میں تمام سابقہ فیصلوں کو دوبارہ دیکھا گیا اور آخر میں یہ قرار دیا گیا کہ آئندہ کوئی غیر آئینی اقدام عدلیہ جائز قرار نہیں دے گے۔ اور اعلیٰ عدلیہ کے معزز ججز کسی غیر آئینی رعایت کا حلف نہیں اٹھائیں گے۔ اور یہ بھی قرار دیا گیا کہ آئین کے آرٹیکل (8) 209 جو اعلیٰ عدلیہ کا ضابطہء اخلاق کے بارے میں ہے ایک نئی شق شامل کی جائے کہ آئندہ کوئی جج کسی غیر آئینی حکومت جو آئین میں درج طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے سے اقتدار حاصل کرے، کی معاونت نہیں کرے گا اور کسی قسم کی خلاف ورزی، آئین کے آرٹیکل 209 کے مطابق غلط طرزِ عمل میں شمار کی جائے گی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 209 کے تحت قائم کردہ جوڈیشل کونسل کیضابطہء اخلاق کو تبدیل کرتے ہوئے اس میں یہ شق ix بھی شامل کی گئی جو کہ درجِ ذیل ہے:

''اعلیٰ عدلیہ کا کوئی بھی جج کسی بھی صورت میں کسی بھی ایسے حاکم جس نے آئین پاکستان میں دیے ہوئے طریقے کار کے بر خلاف طاقت حاصل کی ہو، کی حمایت نہیں کرے گاکسی بھی طور سے یعنی نہ حلف لے گا اور نہ آئین کے تیسرے جدول میں مجوزہ حلف نامے کی خلاف ورزی کرے گا''۔

50۔ چونکہ ایک لمبا عرصہ ملک نے غیر آئینی دور کا سامنا کیا اور عدلیہ پر بھی الزام ہے کہ اس نے فوج کے اقدامات کا ساتھ دیا۔ اب عدلیہ نے بحیثیت ادارہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ مستقبل میں کسی غیر آئینی اقدام کا ساتھ نہ دے گی۔ اس کا مقصد مقنّنہ جیسے ادارے اور جمہوری نظام حکومت جو کہ آئین میں شامل ہے کو مضبوط کرنا ہے، جس میں ریاست اپنے اختیارات اور اتھارٹی کا استعمال عوام کے منتخب کئے گئے نمائندوں کے ذریعے کرتی ہے۔

51۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فوجی ادوار میں پارلیمانی نظام حکومت کو پٹڑی سے اتارنے کے ساتھ ساتھ، وقتاً فوقتاً آئینی شقوں کو نقصان پہنچایا گیا خاص طور پر اس مقدمہ کے حوالے سے 58(2)(B) کو آٹھویں آئینی ترمیم 1985ئاور سترھویں آئینی ترمیم 2003ء کے ذریعے آئین میں شامل کر کے۔ ان آئینی ترامیم کے ذریعے صدر کو مضبوط اور جمہوری نظامِ حکومت کو نیم صدارتی طرز حکومت میں تبدیل کیا گیا۔ جیسا کہ وزیرِ اعظم کو مضبوط کرنے

کی بجائے، جو کہ آئین کے آرٹیکل 91 کے تحت پارلیمانی لیڈر اور چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے، غیر موثر آرٹیکل 58(2)(B) کے ذریعے قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کا اختیار صدر کو دیا گیا۔

52۔ بدقسمتی سے قومی اسمبلی جو کہ منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے کو آئین کے آرٹیکل 58(2)(B) کے استعمال سے سال 1988، 1990، 1993 اور 1996 میں تحلیل کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے نتیجے میں قومی اسمبلی کے ساتھ ساتھ وفاق کی حکومت اور صوبائی سطح پر صوبائی اسمبلیاں بھی تحلیل ہوئیں۔ تاہم خوش قسمتی سے موجودہ پارلیمنٹ نے اٹھارویں ترمیم کے ذریعے آئین میں وہ تمام ترامیم منسوخ کردیں جو کہ غیر آئینی ادوار میں جرنیلوں کی سربراہی میں متعارف کروائی گئیں تھیں۔ اس سے بدقسمتی کی کیا بات ہوسکتی ہے کہ 1977ء سے 1988ء اور اکتوبر 1999ء سے دسمبر 2007ء پاکستان کے صدرورِ پاکستان آرمی کی وردی میں تھے اور بطور سویلین صدر کام کرتے رہے جن کے ایک ہاتھ میں بندوق تھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تھے۔

53۔ اٹھارویں ترمیم میں صدر کو اختیارات تفویض کرنے کے نتیجے میں ایک ایسا ماحول پیدا ہوگیا تھا جس سے صدر کا دفتر سیاسی جماعتوں کے خلاف اس کے نقصانات جانے بغیر استعمال ہونے لگا، یہ سمجھے بنا کہ صدر کے دفتر کا آئینی تقدس کیا ہے، جو کہ آئین کے آرٹیکل 41 کے تحت ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے جمہوریہ کی یکجہتی کی علامت سمجھا جاتا ہے، صدر کی طرف سے آئین کے آرٹیکل 58(2)(B) کے تحت اسمبلیاں توڑنے کے اقدامات کو اس عدالت نے ان مقدمات میں نمٹایا ہے:

وفاقِ پاکستان بنام حاجی سیف اللہ خان (PLD 1989 SC 166)

خواجہ احمد طارق رحیم بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1992 SC 646)

میاں محمد نواز شریف کا کیس (متذکرہ بالا)

محترمہ بینظیر بھٹو بنام صدرِ پاکستان (PLD 1998 SC 388)

اور سید ظفر علی شاہ کا کیس (متذکرہ بالا)

ان تمام مقدمات میں فیصلہ شدہ عوامل کا احاطہ مقدمہ بنام ''**<u>قاضی حسین احمد بنام جنرل پرویزمشرف (PLD 2002 SC 853)</u>**'' میں کیا گیا ہے جو کہ درجِ ذیل ہے:

''29 مئی 1988ء کو جنرل محمد ضیاء الحق نے قومی اسمبلی کو تحلیل کیا اور محمد خان جونیجو کی حکومت کو آئین کی دفعہ 58(2)(b) کے تحت بر طرف کر دیا قومی اسمبلی کی تحلیل کو آئین کے دائرہ کار کے تحت اور '' خواجہ محمد شریف بنام وفاقِ پاکستان(PLD 1988 Lahore 725) ''کے حکم کی روشنی میں لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کیاگیا۔اسمبلی کی تحلیل کو غیرقانونی قرار دیا گیا اور یہ معاملہ اس عدالت کے سامنے اپیل کی شکل میں آیا 17 اگست 1988ء کو جنرل ضیاء الحق ایك فضائی حادثے میں ہلاك ہو گئے اور غلام اسحاق خان اس وقت کے سینیٹ کے چیئرمین نے صدر پاکستان کا عہدہ سنبھالا۔ اس عدالت نے بحوالہ ''حاجی سیف اللہ بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1989 SC 166) '' جو کہ 5 اکتوبر 1988کو صادر ہوا، لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا لیکن قومی اسمبلی کی بحالی کی درخواست کو رد کر دیا کیونکہ پوری قوم انتخابات جو کہ بمطابق 16اور19 نومبر 1988کو ہونا تھا کے لیے تیار تھی''۔

20۔ 1988ء کے انتخابات کے نتیجہ میں پاکستان پیپلز پارٹی جس کی سربراہی محترمہ بے نظیر بھٹو کر رہی تھی نے وفاق میں حکومت بنالی جب کے اسلامی جمہوری اتحاد (IJI) بشمول پاکستان مسلم لیگ جس کی قیادت میاں محمد نواز شریف کے پاس تھی، صوبہ پنجاب میں حکومت بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ تاہم ان دونوں لیڈران کا آپس میں اتفاق رائے نہ ہو سکا جس نے ان کے درمیان میں محاذ ارائی کی کیفیت برقرار رکھی جس کی نتیجہ میں قومی اہمیت کے معاملات پر ان کے درمیان نہ کبھی مذاکرات ہوئے نہ ہی قومی اہمیت کے تنازعات کا حل نکلا۔

21۔ 6اگست 1990ء کو غلام اسحاق خان صدر پاکستان نے کرپشن اور بد انتظامی اور آئین کی خلاف ورزی وغیرہ کے الزامات کے تحت قومی اسمبلی برخاست کر دی اور 58-2/B کے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کردی۔ اور نئے انتخابات کا حکم دیا برطرفی کا یہ اقدام چاروں ہائی کورٹس میں چیلنج کیا گیا تاہم بلوچستان اور سندھ کے مقدمات یکجا کر کے سندھ ہائی کورٹ میں

سنے گئے اسی طرح صوبہ سرحد کے لاہور کے ساتھ یکجا کئے گئے اور لاہور ہائی کورٹ میں سُنے گئے، دونوں ہائی کورٹس نے حاجی سیف اللہ کیس سے اتفاق نہ کرتے ہوئے برطرفی کے اقدام کو برقرار رکھا اور یہ قرار دیا کہ صدر مملکت یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب تھے کہ وفاق کی حکومت آئین کے تحت نہیں چلائی جارہی تھی۔ یہ معاملہ اس عدالت کے سامنے لایا گیا ''**خواجہ احمد طارق رحیم بنام وفاق پاکستان (PLD 1992 SC 646)**'' کے تحت اس عدالت نے اپیل کرنے کی اجازت نہ منظور کرتے ہوئے ہائی کورٹس کا فیصلہ بحال رکھا۔

22۔ 1990 کے عام انتخابات میں میاں محمد نواز شریف حکومت میں آگئے اور محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپوزیشن میں بیٹھنا پڑا۔ دونوں نے اپنا جھگڑا جاری رکھا۔غلام اسحاق خان اور میاں نواز شریف کے درمیان تنازعات نے سر اٹھایا۔ 18اپریل 1993ء کو اس وقت کے صدر نے قومی اسمبلی توڑ کر میاں محمدنواز شریف کی حکومت اپنے آئینی اختیار زیر دفعہ 58-2/B کے تحت ختم کردی۔ یہ معاملہ اس عدالت کے سامنے لایا گیا اور مقدمہ'' **میاں محمد نواز شریف بنام صدر پاکستان (سپریم کورٹ 473PLD 1993)**'' دس اور ایک کی اکثریت سے یہ قرار دیا کہ برطرفی کا یہ اقدام صدر مملکت کو حاصل شدہ آئینی اختیارات زیرِ دفعہ 58-2/B کے زمرے میں نہیں آتا اور نتیجتاً قومی اسمبلی، وزیراعظم اور کابینہ کو بحال کردیا گیا۔ تاہم خاص حالات کی وجہ سے میاں محمد نواز شریف کے مشورے پر صدرمملکت نے 18 جولائی 1993ء کو اسمبلیاں توڑ دی۔

23۔ اکتوبر 1993ء کے انتخابات کے نتیجہ میں محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے اتحادیوں کے مدد سے حکومت بنانے میں کامیاب ہوئیں اور فاروق احمد خان لغاری کو صدرمملکت منتخب کرلیا گیا اور میاں نواز شریف نے اپوزیشن کی سربراہی سنبھال لی۔ پرانے دو مخالفین کے درمیان تلخی کم ہونے کی بجائے بڑھی۔ 5نومبر 1996ء کو صدرفاروق احمد خان لغاری نے اپنے آئینی اختیارات زیرِ دفعہ 58-2/B کو استعمال میں لاتے ہوئے قومی اسمبلی کوتحلیل کر کے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کر دی۔ برطرفی کا یہ اقدام بھی اس عدالت میں چیلنج ہوا اور'' **محترمہ بے نظیر بھٹو بنام صدر پاکستان PLD 1998 SC 388**'' میں یہ قرار دیا گیا کہ صدر کا اقدام قانونی اور آئینی ہے۔

24۔ فروری 1997ء میں منعقدہ انتخابات میں میاں محمد نواز شریف اسمبلیوں میں بھاری مینڈیٹ کے ساتھ اقتدار میں آئے اور محترمہ بے نظیر بھٹو قائدِ حزبِ اختلاف کے طور پر آئیں۔ میاں محمد نواز شریف نے نہ صرف اپوزیشن بلکہ ملک کے دوسرے اداروں بشمول عدلیہ اور فوج کے ساتھ تصادم کی پالیسی جاری رکھی۔ سابقہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت نے نیشنل سیکورٹی کونسل کو تشکیل کرنے کی تجویز دی۔ جس کو وزیر اعظم نے لائق تحسین نہ سمجھا اور نتیجتاً اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف کو جانا پڑا۔ آئینی تیرھویں ترمیمی ایکٹ 1997 کے تحت آرٹیکل 58(2)(b) کو منسوخ کر دیا گیا اور سروسز چیف کی تقرری کا اختیار وزیر اعظم کو حاصل ہو گیا۔ اس طرح جنرل جہانگیر کرامت کے استعفے کے بعد میاں محمد نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف کی تقرری بطور چیف آف آرمی سٹاف کی۔

25۔ وزیر اعظم اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے درمیان کارگل کے مسئلہ پر اختلافات شروع ہوئے۔ ایک موقع پر ایسا لگا جیسے تناؤ کم ہو گیا ہو جب جنرل پرویز مشرف کا تقرر بطور چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کیا گیا۔ تاہم چند دن بعد وزیر اعظم نے جنرل پرویز مشرف کو ہٹانے کا نوٹیفیکیشن جاری کیا جب وہ سری لنکا سے سرکاری دورے سے واپس آ رہے تھے اور لیفٹیننٹ جنرل ضیاالدین بٹ کا تقرر بطور چیف آف آرمی سٹاف کیا۔ پاکستان آرمی نے وزیر اعظم کے اس فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس کو آرمی کے معاملات میں مداخلت، اس کو سیاست زدہ اور کمزور کرنا سمجھا۔ اس وقت کے وزیر اعظم نے ہدایات جاری کیں کہ جنرل پرویز مشرف کو لانے والے طیارے کو کراچی ائیر پورٹ پر اترنے کی اجازت نہ دی جائے لیکن افواج پاکستان کے بروقت ایکشن کی وجہ سے وزیرِ اعظم اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ نتیجتاً افواج پاکستان نے وزیر اعظم کے ایکشن کا ردِعمل دکھایا اور میاں محمد نواز شریف کو ہٹا دیا گیا اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے ملک کا نظم ونسق سنبھال لیا۔

26۔ 14 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف کے حکومت پر قبضے کے بعد اور افواج پاکستان کے سربراہان اور کور کمانڈروں کی سوچ و بچار اور فیصلوں کے نتیجے میں ایمرجنسی کا اعلامیہ جاری کیا گیا۔ حکومت پر فوج کے قبضے کو اس عدالت سے مختلف آئینی درخواستوں میں چیلنج کیا گیا جن کو مخصوص ہدایات کے ساتھ

''**سید ظفر علی شاہ وغیرہ بنام جنرل پرویز مشرف، چیف ایگزیکٹو آف پاکستان وغیرہ (PLD 2000 SC 869)**'' والے کیس میں ایک متفقہ فیصلے کے تحت نمٹا دیا گیا جس کے مصنف اس وقت کے چیف جسٹس ارشاد حسن خان تھے۔ ان کیسوں میں بیان کئے گئے حقائق اور اسمبلیاں تحلیل کرنے کی وجوہات ہر مقدمے میں علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔

اوپر دیئے گئے حقائق اسمبلیاں تحلیل کرنے کی وجوہات کے ساتھ ہر مقدمہ میں علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔

54۔ جیسا کہ پچھلے پیروں میں نوٹ کیا گیا ہے اس مقدمہ میں سال 1990 میں صدر پاکستان کا دفتر ایک دفعہ پھر قومی مفاد کے نام پر حرکت میں آیا اور ایوانِ صدر میں خاص سیاسی پارٹیوں کو مدد فراہم کرنے کے لئے الیکشن سیل قائم کیا گیا۔ جنہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی جو کہ اس وقت برسرِ اقتدار تھی کے خلاف الیکشن لڑنے کے لئے اتحاد قائم کیا جو کہ ہمارے پاس موجود ریکارڈ سے واضح ہے۔ ریکارڈ میں موجود مواد کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک بہت اہم سوال جو کہ ہمارے سامنے آیا ہے یہ ہے کہ اس وقت کے صدر ،آرمی چیف، ڈی جی آئی ایس آئی اور مختلف آرمی افسران کی غیر آئینی اور غیر قانونی امور میں فریق بننے پر انکی آئینی حیثیت کیا تھی؟ آٹھویں اور سترہوں آئینی ترامیم سے پہلے اور بعد میں صدر کے اختیارات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، یہ کہا جاتا ہے کہ صدر ریاست کا سربراہ ہوتا ہے اور جمہوریہ کی یکجہتی کی نمائندگی کرتا ہے اس لئے صدر پاکستان کا حلف اٹھانے کے بعد، اس کی یہ آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے جمہوریہ کی نمائندگی کرے اور اس سے آئین کے تحت یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ الیکشن میں کسی پسندیدہ امیدوار کی حمایت کرے یا کسی سیاسی پارٹی جیسا کہ IJI ہے اس کیس کے حوالے سے اس کی حمایت کرے۔ اس موقع پر، آئین کے آرٹیکل 41(1) کا حوالہ دیا جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ ایک صدر پاکستان ہوگا جو ریاست کا سربراہ ہوگا اور جمہوریہ کی یکجہتی کی نمائندگی کرے گا اور اس حلف کے الفاظ کا پاسدار رہے گا جو کہ صدر بننے سے پہلے اس سے لیا جائے گا۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

''**شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے**''

میں----حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان اور اللہ کے ایک ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔ اللہ کی کتاب قرآن مجید، آخرت پر اور حضرت محمدﷺ کو آخری نبی

مانتا ہوں اور ان کے بعد کوئی بنی نہیں آئے گا اور قیامت پر اور قرآن و سنت کی تعلیمات پریقین رکھتا ہوں،

سچا اور پکا پاکستانی ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔۔۔۔۔

کہ میں بحیثیت صدر پاکستان اپنے فرائض منصبی دیانت داری اپنی بھر پور صلاحیت مخلصانہ طور پر آئین اور قانون کے مطابق ہمیشہ اقتدار اعلیٰ کے مفاد میں دیانت داری، یکجہتی ، فلاح و بہبود اور پاکستان کی خوشحالی کے لئے ادا کروں گا۔

کہ میں اپنے ذاتی مفاد اور اثر و رسوخ کو اپنے سرکاری معاملات اور فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہونے دوں گا:

کہ میں آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان کا تحفظ کروں گا:

کہ میں ہر حالات میں عوام کے حقوق کا تحفظ قانون کے مطابق بلا خوف و خطر کروں گا:

کہ میں بلواسطہ یا بلا واسطہ کسی شخص کو کسی بھی معاملے کے متعلق معلومات جو میرے پاس قابل غور ہو اور میری معلومات میں ہوں بحیثیت صدر پاکستان نہ بتاؤں گا ما سوائے ان کے جو کہ بحیثیت صدر فرائض کی ادائیگی میں مجھے درکار ہوں گی۔

اللہ میرا حامی و ناصر ہو۔آمین

55۔ فاضل اٹارنی جنرل نے اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو صدر کا عہدہ سیاسیعہدہ ہی ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں انہوں نے وزیرِ اعظم اور وفاقی وزراء کے حلف پیش کئے جن کے الفاظ مماثل تھے۔ انہوں نے بحث کی کہ صدر کا حلف آئینی مراتب رکھنے والے افراد کے حلف سے الگ نہیں ہوتا اس سلسلے میں انہوں نے ہماری توجہ مسلح افواج کے اراکین کے حلف کی طرف دلائی جو کہ خاص طور پر سیاسی سرگرمیوں کو ممنوع کرتا ہے لیکن سیاسی سرگرمیاں ججز کے حلف نامے میں بھی درج نہیں ہیں۔ حالانکہ جب ہم ججز کے

ضابطہء اخلاق کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عدالت سیاسی سوال پر نہیں جائے گی لہٰذا جج صاحبان سیاسی سوالات میں دخل اندازی نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ کسی ایسے قانونی سوال کی سماعت کریں گے جس میں سیاسی سوال اٹھتا ہو۔ انہوں نے مزید بحث کی کہ یہ الفاظ صدر کے حلف نامے میں شامل نہیں ہیں۔ اور مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ صدر کی ہمدردیاں اس سیاسی جماعت سے ہوتی ہیں جس سے اس کا تعلق ہے اور یہ بات قدرتی ہے ۔ اپنے دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے بیان کیا کہ صدر جمہوریت کو ناکام کرنے اور اسمبلیاں تحلیل کرنے کیلئے نہیں ہیں۔ تاہم انتخابات میں دھاندلی کی کوئی شہادت موصول ہوتی ہے تو وہ قابلِ قبول نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایوانِ صدر کو چلانا سپریم کورٹ کی ذمہ داری نہیں جس کے پاس کوئی ایسے اختیارات نہیں کہ وہ آئین میں کچھ اضافہ یا کمی کر سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ درخواست گزار کے فاضل وکیل نے مقدمہ محمد نواز شریف کا حوالہ دیا جو کہ کسی اور حالات میں طے کیا گیا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ ایس ایم ظفر سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کے دلائل جو کہ انہوں نے مقدمہ ''**پاکستان لائرز فورم بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2011 Lahore 382)**''میں پیش کئے ، پر انحصار کیا۔

56۔ یہاں یہ وضاحت بھی کی جاتی ہے کہ آج کے دور میں پارلیمانی جمہوریتوں کا وجود دو اقسام کا ہے وہ یا تو آئینی ہیں یا بادشاہی۔ تاریخی طور پر دیکھا جائے تو بادشاہت ریاست کی ترجمانی کرتی ہے۔ پارلیمان اور جمہوریت بادشاہت کے نام پر اختیارات حاصل کرتے اور استعمال کرتے ہیں۔ حتمی طور پر پارلیمان اختیارات کا منبع بن جاتا ہے جس میں حکومت کے سربراہان اور وزراء شامل ہوتے ہیں جو کہ اُن کی جانب سے چنے جاتے ہیں۔ بادشاہت ریاست کی علامت ہے جو کہ اُس کی پہچان اور اتحاد کا مظہر ہوتی ہے بدیع النظر اس کے کہ اس کے نام پر کیا افعال سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ ریاست کے تمام افعال چاہے وہ منتخب حکومت کی جانب سے کئے جائیں اسی کے نام سے ہوں گے جس میں عدالتوں کا وضع کیا جانا، سرکاری ملازمین کی تقرری، سفیروں کی تقرری اور جنگیں وغیرہ۔ وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے ملکوں نے بادشاہت ختم کی اور اسے صدارتی نظام سے بدل دیا لیکن سربراہِ مملکت کی جانب سے ادا کئے جانے والے کردار کی نوعیت ابھی بھی وہی ہے۔ اور حکومت کے ساتھ صدر کے رتبے کو ابھی بھی وہی تعظیم حاصل ہے جیسا کہ بادشاہ کو حاصل ہوتی تھی۔ اسی طرح سے صدر کو حاصل اختیارات کا استعمال وہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا جبکہ اس کے نام کا استعمال عوام کی جانب سے منتخب نمائندگان

کرتے ہیں۔کسی بھی پارلیمانی مملکت میں ملک کے سیاسی نظام کو متحد رکھنے اور ریاست کے افعال کو درست راہ پر استوار کرنے کیلئے ایک مطلق العنان اور خودمختاری کا منبع ریاست کے سربراہ کو سمجھا جاتا ہے۔

57۔ آج کے دور میں دنیا میں پارلیمانی نظام دو اہم قانونی روایات پر مشتمل ہے پہلی عمومی قانون کی روایت جو کہ انگلستان میں قانونی ترقی کے ساتھ وجود میں آئی اور دوسری دیوانی قانون (رومن لاء) کی روایت۔ جو کہ یورپ میں موجود ہے اور جو کہ قدیم رومن بادشاہ ''**جو سٹینین ون**'' کی ایجاد کردہ ہے۔ اِن دو عظیم نظاموں کے درمیان وہ ممالک ہیں جن کے پاس پارلیمانی آئینی بادشاہت ہے جبکہ دوسرے کچھ ایسے ہیں جس میں پارلیمانی حکومت ہے۔ ان کے درمیان باریک فرق صرف یہ ہے کہ پہلی ریاست کا سربراہ بادشاہ ہوتا ہے جبکہ آخری الذکر میں ریاست کا سربراہ صدر ہوتا ہے۔ ریاست کے سربراہ اور حکومت کے مابین تعلق روایات میں کم و بیش ایک جیسا ہے۔

58۔ عام قانون ایک روایت ہے جو عام قانونی عدالتوں کے فیصلوں اور نظریوں پر مشتمل ہے۔ عام قانون روایات، تسلسل اور پرانے اصولوں کو بہت ترجیح دیتا ہے جو کہ وراثتی طور پر دائمی ہو چکے ہیں۔ (بحوالہ مقدمہ ''**محمد سہیل بنام شمال مغربی سرحدی صوب 1996 PLC CS 364**)''۔تاہم شہری نظام تحریری ذرائع پر قائم ہے اور بجائے تاریخی تشریحات تحریری قانون پر انحصار کو تقویت دیتا ہے ۔ یہ فرق دونوں نظاموں کے درمیان قوانین کی طرز سے واضح ہے۔ قانون عامہ کے قوانین ایک بنیاد رکھتے ہیں اور قانون کی تشریح اور ان پر عملدارمد کیلئے قانونی نظریوں پر انحصار کرتے ہیں جبکہ شہری نظام اصولوں کے تحریری ضابطہ پر یقین رکھتا ہے ۔ یہ فرق دونوں نظاموں کے قوانین کے حجم سے واضع ہے۔

59۔ ہر پارلیمانی نظام حکمرانی میں صدر یا بادشاہ کا کردار ایک جیسا ہے۔ اِن میں فرق صرف یہ ہے کہ کردار کی کس شکل میں بنیاد رکھی گئی ہے۔شہری قوانین والے ممالک میں آئین میں صدر کے کردار اور اس پر پابندیاں جو اسکے دفتر یا اسکی شخصیت سے متعلق ہیں بہت وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔شہری قانون سے تعلق رکھنے والے تقریبًا تمام پارلیمانی جمہوری ممالک میں جہاں پارلیمانی جمہوریت موجود ہے ان کے آئین میں ایک آرٹیکل واضح طور پر مشتمل ہے کہ صدور سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔

60۔ دوسری طرف، برطانوی بادشاہ اور برطانوی پارلیمنٹ کا تعلق عمل اور روایت کی طاقت کے ذریعے پروان چڑھا اور اس کو تقویت ملی۔ اس حقیقت پر تعجب نہیں ہے کہ برطانیہ اور حتیٰ کہ نیوزی لینڈ میں آج بھی تحریری آئین موجود نہیں ہیں۔ پارلیمانی نظام میں سربراہ مملکت اور پارلیمنٹ کے درمیان ایسا ہی تعلق موجود ہے جیسا کہ یہ شہری قانون میں موجود ہے۔ تاہم آئین کے ذریعے نظام کی وضاحت کیلئے جو ضروری امور ہیں یہ اُن کا انتظام کرتا ہے ۔ وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے قانون عامہ کے حامل ممالک نے تحریری آئین اپنائے اس طرح غیر تحریری روایات کو آئین کے تحریری آرٹیکلز کے ذریعے محفوظ کیا گیا۔

61۔ ان روایات کے نتیجے میں یہ بات قابل دلچسپی ہے کہ قانون عامہ سے تعلق رکھنے والے کسی ملک کے آئین میں (اور سابقہ دولت مشترکہ سلطنت) جو پارلیمانی نظام کو اختیار کئے ہوئے ہیں اِن میں ہمیں یہ واضح شقیں نہیں ملتیں جس کے ذریعے سربراہ ریاست کو جماعتی تعلق داری سے منع کیا گیا ہو۔ اور نہ ہی انکے حلف نامہ میں یہ بات شامل کی گئی ہے۔ تاہم ، اسی اثناء میں ، آئینی قانون اور قانونی ماہرین کی قانونی تشریحات ان تمام ممالک کے سربراہ مملکت کیلئے بھی اسی کردار اور حیثیت مقرر کرتی ہیں جو کہ تحریری دساتیر کے حامل ممالک کے آئین کی واضح شقات میں مرّوجہ ہیں۔

62۔ پاکستان میں اکے دستور میں آرٹیکل نمبر 41 موجود ہے جو کہ صدر کہ وہی آئینی حیثیت دیتا ہے جو متذکرا بالا دساتیر کے تحت صدر کو حاصل ہے۔ سربراہ مملکت کے کردار کے متعلق رائج آئینی اور قانون عامہ کی روایات سے انحراف پورے نظام اور دساتیر کی تحریری شقات کو ناقابل عمل بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں نظام گو کہ الگ حیثیت رکھتے ہیں لیکن پارلیمانی نظامِ حکومت میں صدور اور بادشاہوں کیلیئے یکساں کردار کا تعین کرتے ہیں۔ وہ علامتی کردار جو ریاست کا سربراہ ہو پارلیمانی نظام کے ڈھانچہ کا اصل امحور ہے۔

63۔ آئین کے حصہ 3 کے مطابق پاکستان میں حکومت کا آئینی نظام جمہوری پارلیمانی نظام ہے، بحوالہ مقدمہ ''**<u>محمد خان اچکزئی بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1997 SC 420)</u>**''۔ یہ خصوصیّت اِسے ان پارلیمانی نظام حکومتوں سے الگ کرتی ہے جو کہ جمہوری نہیں ہیں مثال کے طور پر ,Australia Canada, New Zealand, UK ، وغیرہ جو کہ پارلیمانی آئینی بادشاہتیں ہیں ، تاہم انہی ممالک کی طرح

پاکستان نے بھی اپنے آئینی خدوخال انہی قدیم تاریخی روایات سے اخذ کی ہیں۔

64۔ دیگر آئینی انتظامات کا تقابلی جائزہ لینے کیلئے، ہمیں دیگر پارلیمانی جمہوریتوں پر نظر ڈالنی ہو گی، جیسا کہ Turkey, Greece, Italy, Germany, وغیرہ ۔ جو کہ پاکستان کی طرح وفاقی طرز کی ہیں ان ممالک میں صدر کے کردار کا پاکستانی نظامِ حکومت کے تحت صدر کے کردار سے موازنہ مددگار ہو گا۔ اگرچہ ان ممالک کا اپنا ایک قانونی نظام ہے جس کی بنیاد سویلین (رومن لاء) پر ہے اور یہ اپنی آئینی روایات کی روشنی میں پاکستان سے مختلف ہے۔

65۔ تاہم قریب ترین موازنہ ان ریاستوں سے کیا جاسکتا ہے ،جو کہ دونوں پارلیمانی نظام اور آئینی روایات رکھتے ہوں جن کی جڑیں کامن لاء پر ہوں اور دولت مشترکہ کے نظام سے اخذ کئے گئے ہوں جو کبھی اس نظام کا حصہ رہے ہوں۔جن میں India, Bangladesh, Ireland, Malta, Botswana, Mauritius وغیرہ شامل ہیں۔

66۔ پارلیمانی نظامِ حکومت میں بطور ریاستی سربراہ صدر کا کردار تقریبا ایک جیسا ہوتا ہے۔جیسا کہ ان میں سے کئی ممالک ماضی میں ان ہی کے بادشاہی آئین کے زیرِ انتظام تھیں (بشمول پاکستان کے جو 1956 تک دولتِ مشترکہ کے نظام کا حصہ رہا)، یا ابھی بھی ہے، جس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا پارلیمانی آئینی نظام میں ایک تخیلاتی نظام کی حیثیت ہو، پارلیمانی نظام کے تحت صدر کے لئے چند اہم خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے جو کہ یہ ہیں۔

- ریاست کا سربراہ (آرٹیکل ۴۱)
- انتظامیہ کا علامتی سربراہ۔
- صدر کے افعال دراصل منتخب نمائندوں کے افعال ہوتے ہیں (آرٹیکل ۴۸)
- مسلح افواج کا سربراہ؛ (Article 243)
- وفاق اور ریاست کے اتحاد کا مظہر، لہذا تمام ریاست اور وفاقی حکومت کا نمائندہ؛Article 41
- بلواسطہ منتخب شدہ جس کو زیادہ مستثنیات حاصل نہیں؛(Second Schedule)
- غیر جانبدار اور غیر سیاسی کردار؛

یہاں یہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ پارلیمانی ریاستوں کے تمام صدور سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ سیاسی/ غیر سیاسی اور بنیادی طور پر کسی سیاسی ، مذہبی،لسانی اور علاقائی معاملات میں ملوث نہ ہوں اور غیر جانبدار رہیں۔صدر کے غیر سیاسی کردار پر بحث کیلئے ہم مقدمہ''**پاکستان لائرز فورم بنام وفاقِ پاکستان (PLD 2011 Lahore 382)**'' کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

67۔ اس سے قطع نظر کہ مذکورہ دساتیر میں اس قسم کے کردار کی واضح طور پر ممانعت کی گئی ہے، مثال کے طور پر آئینی شقیں، یا صدارتی حلف جیسا کہ انڈیا، بنگلہ دیش اور آئرلینڈ وغیرہ کے دساتیر میں صدر کے سیاسی کردار یا کسی سیاسی جماعت کے سربراہ ہونے پر کوئی ممانعت نہیں کی گئیں،تاہم تمام آئینی تشریحات ، اور کنونشنز ان ممالک میں صدر سے یہ توقع اور امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی سیاسی وابستگی، ترجیح،تعصب یا تعلق سے باز رہیں، یہ بات قابل فہم ہے کہ صدر کی سیاسی وابستگی اس ریاست کے اتحاد کیلئے نقصان دہ ہے جس کی نمائندگی صدر کر رہا ہو، ان ممالک میں اسطرح کی واضح شقات موجود نہیں کیونکہ کامن لاء/دولت مشترکہ کے نظام والے ممالک برطانوی سامراج کی نمائندگی کرتے تھے جو ماضی میں حتیٰ کہ آج بھی آئینی روایات پر یقین رکھتے ہیں۔ ان روایات کے مطابق بھی بطور ریاستی سربراہ کے بادشاہ اور ملکہ کسی بھی قسم کے سیاسی کردار سے مبراء ہوتے ہیں ، تاہم یہاں تک کہ آسٹریلیا اورکنیڈا کے تحریری آئین جو کہ ملکہ اور گورنر جنرل کے سیاست میں کردار کو واضح طور پر منع نہیں کرتے، مگر انکی آئینی روایات بھی بتاتی ہیں کہ ان ممالک میں ملکہ اور اس کے نمائندہ کا کردار ایسا ہی ہے جیسا برطانیہ اور نیوزی لینڈ میں ہے جہاں پر آئین غیر تحریر شدہ ہیں سپریم کورٹ آف پاکستان نے''**اسد علی بنام وفاقِ پاکستان (PLD 1998 SC 161)**''مقدمہ میں طے کیا ہے کہ ایک آئینی روایت جو کہ ایک دفعہ تسلیم شدہ ہووہی ا اثر رکھتی ہیں جیسا کہ آئینی شقیں اور یہ کہ اس قسم کی روایت کو توڑنا، عدالت کے نزدیک ایسے ہی ہے جیسے اس آئین کو توڑنا ،جس سے روایت کا تعلق ہے۔

68۔ اس تناظر میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی طرح کے تمام پارلیمانی عوامی جمہوری ممالک جنہوں نے اپنے دساتیر کچھ اس انداز میں تشکیل دیئے ہیں کہ یہ دساتیر ہی ان ممالک کے نظام حکومت کی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان ممالک کو کامن لاء رکھنے والے ممالک یا کامن ویلتھ ممالک کی دستوری روایات سے وابستگی کیونکر قائم رکھنی چاہیے ؟اس کا جواب ہمیں اپنی آئینی تاریخ سے ملتا ہے 1973ء کا آئین بنانے والوں کو

صدر کے آئینی کردار کا بخوبی اندازہ تھا، پس ہمارے پہلے آئینی صدر مرحوم چوہدری فضل الٰہی جب کہ پہلے چیف ایگزیکٹو مرحوم ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ صدر، آئین کی رُو اور الفاظ کی روشنی میں وہ شخصیت ہوتی جو ریاست کے اتحاد کا مظہر ہوتی ہے۔جیسا کہ آئین کے آرٹیکل 41 میں دیا گیا ہے۔ وہ کوئی بھی انتظامی امور سر انجام نہیں دیتا ماسوائے اس کے کہ وزیراعظم کی ہدایت پر عمل کرے جو کہ براہِ راست قومی اسمبلی سے منتخب ہوتا ہے۔ یہاں پر ہم پہلے صدر مرحوم چوہدری فضل الٰہی اور پہلے وزیراعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے تاریخی کردار کا ذکر کرتے ہیں۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ ریاست کے صدر کو کیا کردار نبھانا ہوتا ہے یہ خاص طور پر عیاں ہے کہ آئین بنانے والوں نے جن میں مرحوم ذوالفقار بھٹو بھی شامل تھے جو کہ خود اس وقت حکومت کا حصہ تھے اور اس بات کے ذمہ دار تھے کہ حکومت کی ساخت آئین کی اصل روح کے مطابق ہونی چاہیے۔ لہٰذا ہمیں غیر ملکی دساتیر کو دیکھنے کی ضرورت نہیں چاہے وہ بھی صدر کو وہی کردار دیتے ہوں جو کہ ہمارا اپنا آئین دیتا ہے ۔

69۔ صدر کے کردار اور آئین کی دفعہ 41 کو سمجھنے کیلئے کوئی خاص صلاحیت درکار نہیں عملی طور پر صدر کو جو کردار سونپا گیا ہے وہی کافی ہے ۔ پس جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہماری اپنی آئینی تاریخ میں جو کہ منتخب نمائندوں کی جانب سے بنایا گیا اور نافذ کیا گیا ہے جس میں ہمیں آئین کی سمجھ اور اس کی توجیحات کا ادراک ہوتا ہے۔کوئی بھی صدر کے غیر جانبدار کردار کو ہمارے آئین کے بنانے والوں سے بڑھ کر نہیں سمجھ سکتا۔ تاریخی ریکارڈ سے ظاہر ہے چاہے مرحوم چوہدری فضل الٰہی جو حقیقی طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک رکن تھے نے صدر کا دفتر سنبھالتے ہی اپنے آپ کو اپنی ان سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ کر لیا تھا۔ اسی تناظر میں پارلیمانی جمہوریت میں سربراہِ حکومت اور وزیرِ اعظم بطور چیف ایگزیکٹو کے درمیان درحقیقت ویسا ہی تعلق ہونا چاہئے جیسا کہ ہمارے پہلے صدر اور پہلے وزیرِ اعظم کے مابین 1973 کے آئین کے مطابق تھا۔ ایسے کسی کردار سے انحراف ہماری آئینی تشکیل سے متصادم ہوگا۔ ہم نے مقدمہ ''**صوبہ سندھ بنام رشید اے رضوی (PLD 2012 SC 649)**'' میں فیصلہ دیا کہ کسی بھی قانونی نقطے کی وضاحت اور اُس کو بہترین طریقے سے سمجھنے کیلئے اس نقطے کی موجودہ حالات میں ظاہریت کو سمجھنا ہے جو کہ ''**بہت اہمیت رکھتی ہے اور جس کو آسانی سے کسی ظاہری اختلافی تاثر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا**''۔

70۔ اوپر بیان کردہ آئینی اصول جو کہ واقعاتی طور پر ظاہر ہیں کو فوجی آمروں کی جانب سے غیر آئینی مداخلت

کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ وہ ایوانِ صدر پر قابض رہے اور اصل آئین کو سبوتاژ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ آرٹیکل (b)(2) 58 کے استعمال کے ذریعے کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ یہ آرٹیکل پارلیمانی جمہوریت کو تباہ کرنے کیلئے بنایا گیا تھا تاکہ اختیارات کا اصل منبع براہِ راست منتخب نمائندوں سے لیکر باوردی شخص جو کہ ایوانِ صدر پر قابض ہے کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ اٹھارویں ترمیم کا نتیجہ تھا کہ آرٹیکل 58(2)(b) کو آئین کا حصہ بنایا گیا۔ تاکہ پارلیمانی جمہوریت کے نظریے کو رد کیا جاسکے۔ آئین کو ہماری اپنی آئینی تاریخ اور روایات کے تناظر میں بیان کیا جانا چاہئے تاکہ پارلیمانی جمہوریت کو اس کی اصل روح کے مطابق تحفظ بخشا جا سکے۔ صدر کے کردار کو ہمارے آئین کے تحت اوپر بیان کیے گئے تاریخی پسِ منظر میں اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

71۔ اعلیٰ عدلیہ نے اپنے اہم فیصلوں میں جیسا کہ مقدمات ''**الجہاد ٹرسٹ بنام فیڈریشن آف پاکستان (پی ایل ڈی - ایس سی- 84)** اور ''**سجاد علی شاہ بنام اسد علی (ایس سی ایم آر- 640)**''میں آئین کی تشریح کرتے وقت سال ہا سال سے قائم ان روایات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ایسا تصور کرنا بھی محال ہے کہ ایک پارلیمانی نظام بطور جمہوریت کے جاری و ساری رہے، جہاں بالواسطہ طور پر منتخب صدر ہی حکومت کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے خود ہی کارہائے مملکت سرانجام دے جیسا کہ مقدمہ **بینظیر بھٹو بنام صدرِ پاکستان** (PLD 1998 SC-388) میں عیاں ہے!

72۔ زیادہ تر ممالک میں، عہدے کے حلف یکساں ہیں جو کہ سربراہ ریاست اور ریاست کے وزراء کے لئے قرار دیئے گئے ہیں۔ ان ممالک میں سے کسی ایک ملک میں بھی صدارتی سیاسی کردار پر قدغن سے متعلقہ کوئی واضح قانون نہ ہے بلکہ ان کی آئینی وسعت ہی اس حقیقت کا تقاضا کرتی ہے۔ ان ممالک میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، آئیر لینڈ، کینیڈا اور آسٹریلیا شامل ہیں۔

بنگلہ دیش:

آرٹیکل 48

1۔ بنگلہ دیش کا ایک صدر ہوگا جس کا انتخاب پارلیمنٹ کے ممبران قانون کی روشنی میں کریں گے:

2۔ صدر ریاست کا سربراہ ہوگا اور اُسے ریاست میں تمام افراد پر برتری حاصل ہوگی اور وہ اپنے فرائض و اختیارات جو کہ اُسے آئین اور قانون نے دیئے ہیں کو استعمال کرے گا:

حلف/تصدیق

3rd شیڈول

آرٹیکل 148

حلف الصدیق

میں حلفیہ طور پر اقرار کرتا ہوں کہ بنگلہ دیش کے صدر کے دفتر کے فرائض منصبی مخلصانہ طور پر اور قانونی طور پر سرانجام دوں گا:

کہ میں سچا اور پکا بنگلہ دیشی ہونے پر یقین رکھتا ہوں اور میں صحیح اور بلا خوف وخطر قانون کے مطابق عوام کے حقوق کا تحفظ کروں گا:

آئرلینڈ

آرٹیکل 12

آئرلینڈ کا ایک صدر ہو گا بعد ازاں صدر کہلائے گا، جسے ریاست میں تمام افراد پر برتری حاصل ہو گی اور وہ اپنے فرائض اور اختیارات جو کہ اُسے آئین اور قانون نے دیئے ہیں استعمال کرے گا:

8۔ صدر اپنا منصب سنبھالنے سے قبل پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں عدالت عظمیٰ، عدالت عالیہ کے جج صاحبان اور دیگر عوامی شخصیات کے سامنے مندرجہ ذیل الفاظ میں اقرار کرے گا:

''خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے میں حلفیہ اور مخلصانہ وعدہ کرتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں آئرلینڈ کے آئین اور قانون کی بالادستی کو برقرار رکھوں گا؛ اور یہ کہ میں اپنی صلاحیتوں اور خدمات کو آئرلینڈ کے عوام کے لئے وقف کروں گا؛اللہ میری رہنمائی کرے اور قائم رکھے''۔

اس تناظر میں بھارت کے دستور کے آرٹیکل 60 کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جو کچھ اس طرح سے ہے:

''60۔ ہر صدر اور ہر وہ شخص جو صدر کے فرض منصبی ادا کرے گا، اپنے دفتر میں آنے سے پہلے چیف جسٹس آف انڈیا کے سامنے یا اسکی غیر موجودگی میں سپریم کورٹ کے دستیاب سینئر ترین جج کے سامنے درج ذیل حلف یا

تصدیق کرے گا:

"میں، اے۔بی، خدا کے نام پر قسم کھاتا ہوں کہ میں حلفًا بطور انڈیا کے صدر (یا فرائض منصبی) کو مکمل طور پر سرانجام دونگا اور میں اپنی بہترین قابلیت کے مطابق آئین اور قانون کو محفوظ،اسکا تحفظ اور دفاع کرونگا۔ اور یہ کہ میں اپنے آپ کو انڈیا کے لوگوں کی خدمت اور بہتری کے لیئے وقف کرونگا"۔

Dr.Ambedkar جو کہ بھارتی آئین ساز کمیٹی کے چیرمین ہیں، کے خیالات کو آئین ساز اسمبلی کے مباحثوں کی سرکاری رپورٹ (**نئی دہلی : لوك سبها سكريٹريٹ 1999**) کے صفحہ 32 پر یوں چھاپا گیا ہے:۔

"برطانوی آئین کے تحت بادشاہ کو اختیار حاصل ہے وہ سربراہِ مملکت تو ہوتا ہے لیکن سربراہِ حکومت نہیں ہوتا۔ وہ قوم کی ترجمانی کرتاہے لیکن قوم پر حکمرانی نہیں کرتا۔ انتظامیہ میں اس کی جگہ ایك رسمی آلے کی سی ہے جس کے ذریعے قوم کے فیصلے کئے جاتے ہیں"

شمشیر سنگھ بنام پنجاب (AIR 1974 SC 2192) کے بھارتی سپریم کورٹ کے فیصلے میں ،جو کہ Mr. Justice Krishna Iyer نے لکھا ۔ ہندوستانی صدر کے کردار کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو کہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ وفاقی پارلیمانی جمہوریہ، جیسا کہ ہمارے آئین میں دی گئی ہے۔ میں صدر کا کیا کردار ہونا چاہیئے:۔

" ہمارے صدر اور گورنر کا کردار ، آئینی بادشاہت کی اور پارلیمنٹ کو جوابدہ کا بینہ کے کردار کا باہمی امتزاج ہے۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ یہ زیادہ تر برطانوی آئینی روایات پر مبنی ہے لیکن اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ مکمل طور پر برطانوی آئین کی طرز پر ہے یہ انڈیا کے لیئے بنایا گیا ہے پر اس میں برطانوی روایات کا رنگ بھی شامل ہے"۔

ہمارے آئین کی اصل ساخت، بنیادی روح اوراسکے خدوخال کیسے ہیں؟

آئین یا بھارتی سیاسی تاریخ اور تقابلی آئینی نظام کا کوئی بھی طالبعلم جزوی طور پر اس قدیم فلسفے سے متفق ہوگا کہ یہ جزؤ منتخب کردہ اورزیادہ تر ویسٹ منسٹر ماڈل کی قدرے ہندی انگلستانی طرز پر ہے جس میں نیم وفاقی اصلاحات، تاریخی ترامیم، سیاسی جغرافیائی انتقالات اور علاقائی روایات شامل ہیں یہ دراصل حکومتِ ہندا ایکٹ مجریہ 1935اور برطانوی پارلیمانی نظام کا امتزاج ہے اور اپنے عنوان اور ہئیت کے اعتبار سے کچھ حد تک امریکی آئین سے مماثل ہے۔

اگر ہم دریاؤں سے متعلق تخیّل کا سہارہ لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ دریائے پوٹومیک (ایک امریکی دریا) نہیں بلکہ دریائے ٹیمز جمنا کے بہاؤ کومہمیز کرتا ہے اس نظریہ کو قائم کرنے میں عدالتِ ھٰذا کے نظائر مددگار ثابت ہوئے۔

Shri K. M. Munshi نے پارلیمانی نظام کی قبولیت کے لیے تاریخی وجہ کا اظہارکیا:

"---- یہ مقننہ میں اکثریت کا اصول ہے کہ کابینہ اپنے لیڈر کی حمایت کرتی ہے جو کہ سربراہِ مملکت یعنی بادشاہ یا صدر کو مشورے دیتی ہے۔ بادشاہ یا صدر اس طرح سے پارٹی سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ واقعی آئین کے غیر جانبدارانہ وقار کی علامت بنا دیا گیا ہے"۔

انگلینڈ میں کابینہ کا اختیا رآج ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کوحاصل اختیارات کے مقابلے میں کم نہیں ہے۔حقیقت میں وزیراعظم اور پوری کابینہ مقنّنہ کے ارکان ہیں اورا یگزیکٹیو کے اختیارات کو چلانے والی اتھارٹی اور مقنّنہ کے درمیان تنازعہ کم سے کم کر دیا گیا ہے، بلکہ درحقیقت ختم ہی کر دیا ہے کیونکہ کابینہ اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ اسے پارلیمنٹ کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔

اسی طرح کی بحث میں حصہ لیتے ہوئے صدر رجندرا پرساد نے کہا (خط وکتابت ومنتخب دستاویزات، اگست تا دسمبر1948ء، رجندراپرساد کی تحریر شدہ ،صفحہ 22پیش لفظ)

ہمیں ایک منتخب صدر کا منتخب مقنّنہ کے ساتھ موازنہ کرنا پڑتا ہے اور ایسا کرنے کے لیئے ہمیں کم وبیش

صدر کے لیے برطانوی بادشاہت کے درجے کو اپنانا ہوتا ہے۔۔۔۔ اس کا درجہ آئینی صدر کے برابر کا ہے۔ تو پھر ہم وزراء کی طرف آتے ہیں وہ بلاشبہ مقنّنہ کو جوابدہ ہیں اور صدر کو مشورہ دیتے ہیں جو کہ ان کے مشورے کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہے۔ اگرچہ کوئی مخصوص شرط نہیں ہے پر میرے علم کے مطابق آئین صدر کو پابند کرتا ہے کہ وہ وزراء کے مشورے کو مانے ، امید ہے کہ برطانوی بادشاہ کے ہمیشہ وزراء کے مشورے پر عمل کرنے کی روایت کو اس ملک میں بھی قائم کیا جائے گا اور صدر آئین میں تحریر کردہ الفاظ کی بناء پر نہیں بلکہ صحتمند روایات کی بنیا د پر تمام معاملات میں آئینی صدر بن جائے گا۔ یہ پر وقار الفاظ آئین ساز اسمبلی کے صدر کی جانب سے عظیم لمحات میں ادا کیئے گئے جب آئین کو حتمی طور پر اپنانے کے لیئے ایوانِ بالا سے رائے لی گئی ۔

امبیڈکر کے نقطہ نظر کو واضح طور پر قبول کیا گیا (بھارتی آئین ساز اسمبلی ، جلد 7، جمعرات 30دسمبر1948ء)

"یہ وزیر اعظم کا کام ہے، وزراء کی معاونت سے، ملک چلائے اور صدر کو اجازت دی جائے کہ وہ بھی وزراء کی کونسل کو مدد اور مشورہ فراہم کرے۔ تاہم، ہمیں حقیقت پسند ہونا چاہئے اور محاورات پر نہیں جانا چاہئے جو کہ روایات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

ہمارے بانیوں کا نقطہ نظر اس سلسلے میں راہنمائی کر سکتا ہے کہ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ صدر اور ایک اعلیٰ عہدیدار یا گورنر کا مقام کابینہ طرز کی حکومت میں آئینی سربراہ کی حیثیت سے زیادہ کچھ نہیں اور نہ ہی وہ زیادہ اختیار رکھتے ہیں، ما سوائے کچھ استثنات اور معمولی تحفظات کے۔

ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وزارت اور صدر کے مابین تنازعہ کی صورت میں حتمی طور پر صدر کی آواز غالب ہوگی چاہے تنازعات عام یا مخصوص درجے کے ہوں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ صدارتی اختیارات کی نسبت وزراتی اختیارات پر اس حد تک تو قدغن ہے کہ ان پر ایوانِ عوامی نمائندگان نظر رکھتے ہیں اور ان پر تنقید بھی کی جاتی ہے جسکا نتیجہ حکومتی اختیارات میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے ۔ اس لیئے یہ بہت ضروری ہے کے اختیارات میں کی جانے اس کمی کو آیئن میں واضح شق کے ذریعے جواز فراہم کیا جانا ازحد

ضروری ہے۔

کیا یہ ہندوستانی آئین کے تحت صدر کے اختیارات کو کم کر کے علامتی سربراہ بناتا ہے؟ اس سے بڑھ کہ جیسے برطانیہ میں بادشاہ کے پاس اب بھی یہ حق ہے کے حکومتی معاملات میں اس سے مشاورت کی جائے۔وہ حوصلہ افزائی بھی کرسکتا ہے اور تنبیہہ بھی۔ وزراء کے مشورے پر عمل کرنے سے یہ مراد نہیں کہ ان کی ہر تجویز پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا جائے صدر اپنے تمام اعتراضات کا اظہار کرسکتا ہے اور اگر مناسب سمجھے تو وزارتی کونسل کو معاملہ کو دوبارہ غور وخوض کے لئے کہہ سکتا ہے۔ یہ صرف آخری چارۂ کار ہوگا کہ ان کی حتمی رائے کو ضرور قبول کرے گا۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ برطانیہ میں جب بھی کسی معاہدے یا قانون کے ذریعے شاہ اور دارالامراء کے قانونی اختیارات میں کوئی کٹوتی کی گئی ان کا اثر ورسوخ مزید مستحکم ہی ہوا ۔ ابھارت میں بھی ایسے ہی نتائج کی توقع کی جاتی ہے۔ جیسا کہ کہاوت ہے کہ ''دلیل کو بذریعہ ترغیب قابلِ عمل بنایا جاسکتا بزورِبازونہیں''۔کوئی بھی بھارتی صدر کے لیئے اس سے بہتر مستقبل کی پیش گوئی نہیں کرسکتا کہ اسکا کردار شاہِ برطانیہ کے کردار سے مماثل ہو یعنی ''**قانونی اختیارات سے احتراز برتنا، فریقین کے مابین تنازعات سے خود کو دور رکھنا اور اخلاقی اختیارات میں خاطر خواہ اضافہ کرنا**''۔ یہ آئینی فکر ان افراد کی ہے جنہوں نے بغیر کسی سیاسی وابستگی کہ جمہوری ڈھانچے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اگر صدر مخصوص حالات میں جب وہ اپنے وزراء سے اختلاف رکھتا ہو تو اسے حتمی طور پر انکی صلاح کو اس روایتی دفاع کے طور پر قبول کر لینا چاہیے کے اگر مذکورہ عمل آئینی ضمانت یافتہ کسی بنیادی حق یا ہدایتی اصول کی خلاف ورزی بھی ہوگا تو اسکے ذمہ دار وزراء ہونگے صدر نہیں ۔

Sir Ivor Jennings نے تصدیق کی ہے کہ متحدہ میں صدر یا ریاست میں گورنر کو لازمی طور پر آئینی بادشاہت کا درجہ حاصل ہونا چاہئے **اور عام برطانوی آئینی معاہدات کا اکٹھا کرنا ظاہری طور پر معاہدوں کو قانونی اکھٹا کرنا ہے۔ تحریر مصنف کے نوٹس صدر کو وسیع اختیارات دیتے ہیں لیکن ماضی کی تاریخ ضرور مہیا کرتی ہے ۔** The Modus Vivindi

تجربات جو ہمیں اپیل کرتے ہیں اس عدالت کے احکامات کی روشنی میں جو مطابقت رکھتی ہے ان خیالات کے ساتھ جو مسٹر کیتھ نے بادشاہ اور تاج بادشاہت کے سامنے کہیں۔ (عزت مآب کے اختیارات اور فرائض (لانگ میز، گرین اینڈ کمپنی، لندن 1936)۔

''یہ بادشاہت کے آزاد حصوں کے لوگوں کا حق خود اختیاری کا معاہدہ ہے۔ کہ گورنر جنرل سرکاری معاملات کی بجاآوری میں مزید کوئی امتیازی مقصد کے لئے نہیں رہا بلکہ یہ ایک ربڑ سٹیمپ جیسا ہو گا۔''

جیسا کہ زبانی اور حقیقی کے بیچ وقفہ کے متعلق انگلینڈ میں بھی جیسا کہ ولیم پیلے نے تشریح کی ہے۔

(The Works of William Paley', by William Paley, Thomas Nelson and Peter Brown, Edinburgh: 1828, PAGE 115)

''یہاں حکومت کے حقیقی /یقینی ساخت اور نظریہ کے درمیان بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جب ہم برطانوی حکومت کے نظیرے کو پرکھتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس ہے----------

اختیار قوانین کو منظور کرنے کا۔ اب ہم اپنی توجع انگلینڈ میں شاہی اختیار کے قانونی مدوں کے حقیقی استعمال کی طرف موڑتے ہیں۔ ہم اسے زبردست مراعاتی اور دھوکہ پر مبنی زیادہ تقریباتی دیکھتے ہیں۔ اور اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک یقینی اختیارتی تاثر جو آئین ہے میں یہ نظر آتا ہے کہ یہ کلیتاً نا واقفیت ہے۔''

بلیک سٹون نے انگلینڈ کے قوانین پر اپنے خیالات/کمنٹری میں کہتا ہے۔ خطرناک طالب علم اسے پڑھ سکتے ہیں کہ آئین تمام انتظامی اختیارات کا بادشاہ کے ہاتھ ہونے کا احاطہ کرتا ہے۔ اس فقرے کے معنی کا اس نے دوبارہ احاطہ کیا۔ ضرور اس کے اندر ایک غلطی ہے۔ یہ بیان مشتمل ہے کہ سیدھا سچ کا مخالف ہے۔

انڈیا میں صدر بھی تمام منفعت والا نہیں وہ ریاست کی عزت کی نمائندگی کرتا ہے۔ عزت پرچہ جائیکہ صرف نمونے کے طور پر اور اس کا تقدس لوگوں اور پارٹیوں میں سیاست سے بالا ہے۔ اس کی حاضر دماغی اگر وہ استعمال کرے صرف بہترین طرزِ حکمرانی کے لئے ہے۔ جو Bagehot نے اس طرح بتایا ہے۔ جسے حق

کے لئے رابطہ کیا جائے جو خبردار یا تعریف کر سکے۔ بے شک آرٹیکل 78 کا استعمال وسیع ہے۔ جو صدر کو قومی اہم پالیسی کی شناخت کے لئے وزیر اعظم کے ساتھ قریبی تعلق رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی شخصیت سزا یا تصحیح سیاسی حکومت کر سکے۔ گو کہ حقیقی فرائض کی ادائیگی جو قانون کی نظر میں اسے تفویض کئے گئے ہیں کہ اثرات اور قانون کے تحت تعینات لوگ یعنی وزیر اعظم اور اس کے رفقاء، مختصراً صدر بادشاہ کی طرح ہے نہ صرف آئینی بے خبری بلکہ حقیقی مستعد اور ترغیبی اختیار دیا گیا ہے۔ سیاسی تجزیہ نگار بادشاہت کے کلیدی رول سے بخوبی واقف ہیں جو اسے سیاست اور اختیار سے دور رکھتا ہے پھر بھی دونوں پر اثر رکھتا ہے جبکہ مذکورہ کردار کی ادائیگی کے دوران اُسے کسی بھی طور پر اختیارات کا منبع تصور نہیں کیا جا سکتا وہ وزراء کی جانب سے دی گئی ہدایات پر عمل کرنے کا پابند ہے ماسوائے اُن مشکل حالات میں جہاں بعض اوقات غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے۔

73۔ ہمارے خیال کے مطابق اوپر بیان کیا گیا فیصلہ تمام حقیقت کے ساتھ محترم اٹارنی جنرل کے تمام دلائل کا جواب دیتا ہے کہ صدر کا ہمارے آئین کی دفعات جو کہ اوپر بیان کی گئی ہیں کے تحت، کیا کردار ہے؟ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ صدر ریاست کے اختیارت کی اعلیٰ ترین سطح پر نمائندگی کرتا ہے حالانکہ وہ صرف علامتی ہے اور اس کا عوام اور سیاسی جماعتوں کے ساتھ تعلق سیاست سے بالاتر ہے۔ لہٰذا صدر کا 1990 میں پسندیدہ امیدواروں اور سیاسی پارٹیوں کے گروہ کی مدد کرنے کا عمل شہریوں کے بنیادی حقوق، جو کہ آئین کے آرٹیکل 17 میں دیئے گئے ہیں، کی کھلی خلاف ورزی ہے جس کے نتیجے میں مخالف سیاسی جماعت کو جیسا کہ پہلے الزام لگایا گیا، قومی اسمبلی کی تقریباً آدھی نشستوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔

74۔ مقدمے کی طرف واپس آتے ہوئے اس بات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ صدر پاکستان اپنے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے اپنے عہدہ کے حلف میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور اللہ تعالیٰ کی واحدنیت پر، اللہ کی کتابوں پر، قرآن پاک کے ان کتابوں میں آخری کتاب ہونے پر، آخری نبی پر اور یہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوسکتا، یوم حساب پر اور قرآن وسنت کی تمام تعلیمات پر یقین رکھتا ہے، اور یہ کہ وہ ذاتی مفاد کو سرکاری امور اور احکامات پر اثر انداز نہیں ہونے دے گا۔ اور یہ کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ بغیر کسی خوف یا لالچ کے، قرابت داری اور بدخواہی کے قانون کے مطابق درست برتاؤ کرے گا۔، لہٰذا بطور ریاست کے آئینی سربراہ کے،

اتنے بڑے عہدیدار سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اُمور و فرائض بلا متعصب و غیر جانبداری سے سر انجام دے۔ یہاں مناسب ہوگا کہ جناب مسٹر جسٹس سعید الزمان صدیقی کے متذکرہ بالا مقدمہ محمد نواز شریف میں کیے گئے مشاہدات کا حوالہ دیا جائے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آئین میں صدر وفاق کے اتحاد کا مظہر ہونے کی وجہ سے ایک غیر جانبدار حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور اس حیثیت میں تمام حکومتی عہدیداران کی طرف سے اعلیٰ عزت کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی بہت ضروری ہے کہ صدر اس اعلیٰ منصب کے وقار اور عظمت کی خاطر آئین کے تحت غیر جانبدارانہ رتبہ کی وجہ سے اپنے آپ کو تمام سیاسی پیچیدہ معاملات سے الگ تھلگ رکھے۔ اگر صدر اپنے آپ کو سیاسی کھیل سے دور نہ رکھ سکے یا وہ اسمبلی میں پسندیدہ سیاسی عناصر کی طرف داری کرنا شروع کر دے تو وہ یقینا قومی معاملات میں غیرجانبدار فیصلہ کرنے کے تصوراور آئین کے تحت اتحاد کے مظہر ہونے کی حیثیت کھو بیٹھے گا۔جس کے باعث مخالفین اُس کے کردار کوزیرِ تنقید لا سکیں گے''۔

75 ۔ متذکرہ بالا دلائل کی روشنی میں فاضل اٹارنی جنرل کے دلائل کو رد کرتے ہوئے ہم اس سے متفق ہیں کہ صدر وفاق کے اتحاد کے علامت ہوتے ہوئے آئین کے تحت ایک غیر جانبدار حیثیت رکھتا ہے اور آئینی طور پر اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی خاص سیاسی جماعت یا سیاسی جماعتوں کے گروہوں یا مخصوص سیاسی شخصیات یا امیدواران جو کسی ایک سیاسی پلیٹ فارم سے الیکشن لڑتے ہوں کی تائید کرے یا مخالف سیاسی کارکنان، سیاسی شخصیات یا سیاسی جماعتوں کے خلاف کام کرے ۔ہم متفقہ طور پر مقدمہ میاں نواز شریف (متذکرہ) میں طے کردہ اصولوں پر انحصار کرتے ہیں اور اسے قابلِ عمل ٹھہراتے ہیں۔ فاضل اٹارنی جنرل نے اس مقدمہ کے ایک اور اہم پہلو کو نظر انداز کیا ہے جس کے مطابق آئینی طور پر صدرِ پاکستان اپنا عہدہ سنبھالتے ہی ایک خود مختار حیثیت حاصل کر لیتا ہے اور ایک ایسے شخص (جو ملازمتِ پاکستان میں ہو) کی تعریف کے دائرے میں آ جاتا ہے۔آئین کے آرٹیکل 260 کے تحت ملازمتِ پاکستان کا مطلب کوئی بھی ملازمت ،عہدہ یا دفتر جو مجلس شوریٰ یا ایک صوبائی

اسمبلی نے ملازمتِ پاکستان قرار دی ہو تمام بشمولِ مصلح افواج جنکی ملازمت کا تعلق وفاق یا صوبے کے معاملات سے ہو۔لیکن اس میں سپیکر ،ڈپٹی سپیکر ، چیر مین ، ڈپٹی چیرمین، وزیراعظم ، وفاقی وزیر، ریاستی وزیر، وزیراعلی،صوبائی وزیر ، اٹارنی جنرل، ایڈوکیٹ جنرل، پارلیمانی سیکریڑی یا چیرمین یا رکن لاء کمیشن، چیرمین یا رکن اسلامی نظریاتی رکن ، وزیراعظم کے خصوصی معاون ومشیر، ایک وزیراعلی کے خصوصی معاون ومشیر یا مجلس شوریٰ یا رکن صوبائی اسمبلی شامل نہیں ہیں۔مذکورہ شق چند عہدوں کو ملازمت پاکستان میں شامل نہیں کرتی ۔جن کی فہرست فقرہ ہٰذا "**لیکن شامل نہیں ہے** " کے بعد دی گئی ہے۔صدر پاکستان اورصوبائی گورنروں کے عہدے استثنائی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

76۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1956 کے آئین میں صدر کو ملازمتِ پاکستان کی استثنائی فہرست میں شامل کیا گیا جبکہ مابعد دساتیر منجملہ 1962 اور 1973 کے دساتیر میں صدرِ پاکستان کے عہدے کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔اس کے برعکس ایسی کوئی شق نہیں ہے جو صدرِ پاکستان کے عہدے کو ملازمتِ پاکستان میں بیان کردہ تعریف کے ابتدائی حصے کی تعریف سے خارج کرے ۔جس کے تحت ''**ملازمتِ پاکستان** '' سے مراد ہے کو ئی ملازمت یاعہدہ جس کا تعلق وفاقی یا صوبائی معاملات سے ہو ۔ مزید براں ملازمتِ پاکستان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ کوئی اورعہدہ یا دفتر جو ملازمت کے علاوہ ہو۔

77۔ سپریم کورٹ نے بمقدمہ صلاح الدین بنام وفاقی شوگرمل اور ڈسٹلری لمیٹڈ(PLD 1975 SC) 244 میں اصطلاح ''**وفاقی و صوبائی معاملات سے متعلق** '' کا تفصیلی جائزہ لیا۔ مذکورہ فیصلے کا متعلقہ متن بغرضِ مطالعہ درجِ ذیل ہے:

> ''**اب اس فقرے کاکیا مطلب ہے ''وفاق یا صوبے کے معاملات سے متعلق فرائض سر انجام دینا''۔ یہ واضح ہے کہ حوالہ حکومتی یا ریاستی فرائض منصبی سے متعلق ہے، جو کسی نہ کسی صورت میں عوامی طاقت کے استعمال کا محور ہے۔ یہ فرائض منصبی ریاست کی پولیس کے روائتی فرائض منصبی بھی ہو سکتے ہیں جو امن و امان برقرار رکھنے اور دیگر امور کی سر انجام دہی سے متعلق ہوں یا وہ فرائض منصبی اقتصادی ترقی، سماجی بہبود، تعلیم، عوامی مفاد کی خدمات،**

اور دوسرے صنعتی و تجارتی نوعیت کے اہم سرکاری امور بھی ہو سکتے ہیں۔ عام طور پر یہ فرائض منصبی حکومت یعنی وفاقی یا صوبائی حکومت کی جانب سے براہ راست تعینات شدہ اشخاص یا ایجنسیاں سر انجام دیتے ہیں''۔

عدالت نے پبلک آفس کی حیثیت کو اصطلاح **"ملازمتِ پاکستان"** کے پیرائے میں مندرجہ ذیل انداز میں بیان کیا:

" عبوری آئین کے آرٹیکل 290 میں لفظ'' **پبلك آفس** '' کی تشریح / تعریف کی گئی ہے جس میں ملازمتِ پاکستان کا کوئی دفتر اور قومی اسمبلی کی رکنیت بھی شامل ہے ۔لفظ**"ملازمتِ پاکستان"** کی تعریف اسی آرٹیکل میں موجود ہے جس سے مراد'' کوئی سروس ، عہدہ یا کوئی بھی دفتر جو وفاق یا کسی صوبے کے معاملات کے متعلق ہو اور بشمول تمام پاکستان کی ملازمت ، کوئی دفاعی ملازمت اور کوئی دوسری ملازمت جو کسی وفاقی یا صوبائی قانون سازی کے تحت رائج قانون کی رو سے ملازمتِ پاکستان تسلیم شدہ ہو لیکن اس میں اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر یا دوسرے قومی اسمبلی کے اراکین شامل نہیں۔ دونوں تعریفوں کو یکجا پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبوری آئین میں استعمال شدہ اصطلاح '**پبلك آفس**' اس تعریف جو '**ملازمتِ پاکستان**' میں بیان کردہ ہے سے زیادہ جامع ہے چناچہ اس کے تحت کوئی بھی دفتر یا عہدہ **"ملازمتِ پاکستان "**شمار ہوگا،لیکن پھر بھی اس میں ریاستی عہدیداران کی بڑی تعداد جنکا حکومتی تنظیمی ڈھانچے میں مختلف عہدوں پر تقرر کیا جاتا ہے شامل نہیں ہیں۔

انگلش فیصلے بمقدمہ **Henry Farran Darely v. Reg [(1846 8 ER 520]** کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔ جو بیان کرتا ہے کہ:

"ایك پبلك آفس ایك حق ، حکم اور ذمہ داری ہے جو قانونکے تحت سونپی گئی ہے ، جس میں فرد کو حکومت کی جانب سے معاملاتِ اقتدار کا کچھ حصہ سونپا گیا ہے تاکہ اختیارات کو قانون کے تحت مجوزہ حد تك اور مقررّہ مدت تك عوام کی فلاح کیلئے استعمال کیا جا سکے ۔ اس سے مراد اقتدارِ اعلیٰ کے چند اختیارات کو تفویض کرنا ہے۔ یہ بااختیار عوامی اتھارٹی کی جانب سے تفویض کردہ وہ اعتماد

ہے جو کے عوام کی بھلائی کیلئے مخصوص مدت کے لیئے، مالی فائدے کے عوض فرائض کی سر انجام دہی کے لئے سونپا جاتا ہے۔ ایك عوامی عہدے دار ملازمت پیشہ یا معاہدے پر کام کرنے والوں جن کو یہ طاقت اور اختیارات حاصل نہیں ہیں سے یکسر مختلف ہونا چاہیئے۔ -----یہاں عوامی عہدے کی نوعیت پرکھنے کی اولین شرط یہ ہے کے سب سے پہلے یہ تعین کیا جائے کہ آیا عہدہ کو اقتدارِ اعلیٰ کے چند انتظامی، قانونی یا عدالتی قسم کے کوئی بھی اختیارات تفویض کیے گئے ہیں، تاکہ انھیں عوامی مفاد میں استعمال کیا جاسکے تاہم بصورتِ دیگر وہ عوامی عہدیدار متصوّر نہیں ہونگے''۔

متذکرہ بالا دلائل کو درجِ ذیل اقتباسات سے مزید تقویت ملتی ہے:

''یہ نظریہ ہمیشہ سے مسلمہ حقیقت نظر آتی ہے جیسا کہ اس کو فیریز نے بیان کیا ہے (غیر معمولی قانونی دادرسیاں ،1925 ، ایڈیشن صفحہ نمبر145) "ایك پبلك آفس ایك حق ، حکم اور ذمہ داری ہے جو قانونکے تحت سونپی گئی ہے ، جس میں فرد کو حکومت کی جانب سے معاملاتِ اقتدار کا کچھ حصہ سونپا گیا ہے تاکہ اختیارات کو قانون کے تحت مجوزہ حد تك اور مقرّرہ مدت تك عوام کی فلاح کیلئے استعمال کیا جا سکے ۔ اس سے مراد اقتدارِ اعلیٰ کے چند اختیارات کو تفویض کرنا ہے۔ یہ بااختیار عوامی اتھارٹی کی جانب سے تفویض کردہ وہ اعتماد ہے جو کے عوام کی بھلائی کیلئے مخصوص مدت کے لئے، مالی فائدے کے عوض فرائض کی سر انجام دہی کے لیئے سونپا جاتا ہے۔ ایك عوامی عہدے دار ملازمت پیشہ یا معاہدے پر کام کرنے والوں جن کو یہ طاقت اور اختیارات حاصل نہیں ہیں سے یکسر مختلف ہوناچاہئے۔ -----یہاں عوامی عہدے کی نوعیت پرکھنے کی اولین شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ تعین کیا جائے کہ آیا عہدہ کو اقتدارِ اعلیٰ کے چند انتظامی، قانونی یا عدالتی قسم کے کوئی بھی اختیارات تفویض کیے گئے ہیں، تاکہ انھیں عوامی مفاد

میں استعمال کیا جاسکے تاہم بصورتِ دیگر وہ عوامی عہدیدار متصوّر نہیں ہونگے''۔

اصطلاح پبلک آفس کی تعریف ہالسبری کی (جلد نمبر 11 میں) اور از حد مشترک تعریف کا مقدمات **لاہور سنٹرل کو آپریٹو بنک لمیٹڈ بنام سیف اللہ شاہ (PLD 1959 SC (PK) 2010)، پاکستان بنام نسیم احمد (PLD 1951 SC 445)، فیض احمد بنام رجسٹرار کواپریٹو سوسائٹی (PLD 1962 SC 315)، مینیجنگ کمیٹی آف کو اپریٹو ماڈل ٹاون سوسائٹی لمیٹڈ بنام ایم اقبال (PLD 1963 SC 179)، مسعود الحسن بنام خادم حسین (PLD 1963 SC 203)، زین العابدین بنام ملتان سنٹرل کو آپریٹو بنک لمیٹڈ (PLD 1966 SC 445)، عبدا لحفیظ بنام چیرمین میونسپل کارپوریشن (PLD 1967 LAH 1251)، آر۔ٹی۔ایچ۔ جنجوعہ بنام نیشنل شیپنگ کارپوریشن (PLD 1974 SC 146)، ایم یو اے خان بنام رانا ایم سلطان (PLD1974 SC 228)** میں منظوری کے ساتھ حوالہ دیا جاچکا ہے۔

78۔ صدر کے عہدے کے علاوہ جج صاحبان اور اعلیٰ عدالتوں کے چیف جسٹس صاحبان بھی ملازمتِ پاکستان کے آرٹیکل 260 میں دیئے گئے استثناء سے مبراء ہونے کی وجہ سے یہ سب عہدے بھی ملازمتِ پاکستان کے دائرے میں آتے ہیں۔ آرٹیکل 260 کا متن آئین کے آرٹیکل 63 کے ساتھ ضرور پڑھنا چاہیے۔ جو کہ ذیل میں دیا گیا ہے:

(1) ایک شخص مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب کیئے جانے یا چنے جانے کیلیے نااہل ہوگا اگر:

(d) وہ ملازمتِ پاکستان کے دوران کوئی منافع بخش دفتر / عہدہ رکھتا ہو ماسوا اس عہدے کے جس کے رکھنے والے کو قانون نے نا اہل قرار نہ دیا ہو۔

مندرجہ بالا شق کے تحت، ایک شخص کو پارلیمنٹ کا رکن بننے یا چُنے جانے کیلئے نااہل کر دیا جاتا ہے۔ لہذا جو بھی ملازمتِ پاکستان کی تعریف میں آتا ہے، وہ انتخابات میں حصہ لینے کیلئے نا اہل ہوگا۔ اسی طرح سے آئینی حکمت کے تحت آرٹیکل (2)44 نمایاں طور پر صدر کے عہدہ پر فائز شخص کو دوسری مدت کیلئے برقرار رہنے کا موقع

دیتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود آرٹیکل 63(1)(d) صدر کے عہدہ پر فائز شخص کو پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہونے کیلئے نا اہل قرار دیتا ہے۔ اس پر فقرہ"Subject to Constitution" (بمطابق آئین) کے ذریعے زور دیا جاتا ہے جو کہ صدر کو اسی عہدہ کیلئے دوبارہ انتخاب میں حصہ لینے کا اہل قرار دیتا ہے ۔ یہ صدر کو اس عہدہ پر دوبارہ انتخاب میں حصہ لینے کا تو اہل کر دیتا ہے لیکن اسی پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لینے کی نا اہلی سے چھٹکارا نہیں دیتا۔عوامی نمائندگی کا قانون مجریہ کی شق (d) 99(1A) مزید اسکی وضاحت کرتی ہے، جس کے تحت:۔

(1) ایک شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب یا چنے جانے کیلیے نااہل ہوگا اگر:

(d) وہ ملازمتِ پاکستان کے دوران کوئی منافع بخش دفتر / عہدہ رکھتا ہو ماسوا اس عہدے کے جس کے رکھنے والے کو قانون نے نا اہل نہ قرار دیا ہو۔

79۔ **<u>سیدہ عابدہ حسین بنام ٹریبونل NA69 (PLD 1994 SC 60)</u>** میں ایسے عوامی عہدہ رکھنے والے شخص کی نااہلی کو سپریم کورٹ نے مندرجہ ذیل بیان کیا ہے:

5۔ حکام نے قانون نمائندگیِ عوام (the Representation of the people Act) کے تحت قرار دیا ہے کہ ذیلی دفعہ (K) کے تحت مدعی انتخاب میں حصہ لینے سے نا اہل ہو چکا ہے۔ مدعی کے فاضل وکیل نے اس فیصلے کی مخالفت کی ہے اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ذیلی دفعہ (K) صرف ان اشخاص پر لاگو ہوتی ہے جو کہ باقاعدہ پاکستان کی ملازمت میں ہوں اور مدعی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف ایک معاہدہ کے تحت کام کر رہی تھی جو کہ اس نے حکومتِ پاکستان سے کیا تھا۔ اس کے مطابق اس بات کا تعین کرنے کہ آیا ایک شخص پاکستان کی ملازمت میں ہے یا نہیں؟ کا معیار یہ ہے کہ آیا اس کی ملازمت کے قواعد وضوابط آئین کے آرٹیکل 240 کے مطابق ہیں۔ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا کہنا ہے کہ مدعی کی تعیناتی ایک معاہدے کے ذریعے مقررہ مدت کے لئے کی گئی تھی اور اس کی ملازمت کے قواعد وضوابط قانونِ سرکاری ملازمین کے مطابق نہ تھے جو کہ متذکرہ بالا آرٹیکل 240 کے تحت بنایا گیا ہے لہٰذا اسے پاکستان کی ملازمت میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔اس نے یہ نقطہ بھی اٹھایا کہ وہ قانونِ سرکاری ملازمین میں دی گئی "سرکاری ملازم" کی تعریف کے زمرے میں نہیں آتی۔ اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اس کا مقدمہ آرٹیکل 63(1) کی شق (n) کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی

ملازمت کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا اس لئے اس پر قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے کوئی قدغن نہ تھی۔

6۔ فاضل وکیل کے اس موقف کی تائید کرنا مشکل ہے "**ملازمتِ پاکستان**" کی وضاحت آئین کے آرٹیکل (1)260 میں کی گئی ہے۔ جو کہ درجِ ذیل ہے:

'' ملازمتِ پاکستان سے مراد کوئی ملازمت، عہدہ یادفتر جو کہ وفاق یا ایک صوبے کے امور سے متعلق ہو اور اس میں آل پاکستان سروس،مسلح افواج کی ملازمت یا کوئی بھی مجلس شورٰی (پارلیمنٹ) یا صوبائی اسمبلی سے منظورشدہ ملازمتِ پاکستا ن شامل ہے، لیکن اس میں سپیکر، چیرٔمین، ڈپٹی چیرٔمین، وزیراعظم، وفاقی وزیر، وزیر مملکت، وزیر اعلیٰ، صوبائی وزیر، اٹارنی جنرل، ایڈووکیٹ جنرل، پارلیمانی سیکرٹری یا چیرٔمین یا لاء کمیشن کا رکن، اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن، وزیراعظم کا خاص معاون، وزیراعظم کا مشیر، وزیر اعلٰی کا خاص معاون، وزیر اعلیٰ کا مشیر اور پارلیمنٹ کا یا صوبائی اسمبلی کارکن شامل نہیں ہیں،،

درخواست گزار کے فاضل وکیل نے درست طور پر قبول کیا کہ سفیر کا عہدہ ریاست کے امور سے متعلق ایک عہدہ ہے۔ اسکا تجزیہ کیا جائے گا کیوں کہ مذکورہ تعریف اس طریقہء کار کا اعادہ نہیں کرتی جس کے ذریعے ریاست یا صوبے کے امور سے متعلق عہدہ کو پرُ کیا جانا چاہیئے۔ لہٰذا جہاں تک ملازمتِ پاکستان میں اس عہدہ کی شمولیت کا تعلق ہے، یہ غیر ضروری ہے کہ آیا اس عہدہ پر فائز شخص کسی خاص معاہدے یا قانون برائے سرکاری ملازمین کے تحت بنائے گئے قوانین کے تحت عہدے پر فائز ہے۔پس صرف یہ دلیل کہ ایک شخص قانون برائے سرکاری ملازمین کی تعریف کے زمرے میں نہیں آتا، اسے آئین میں دی گئی تشریح سے مبرا نہیں کرتی ۔یہ دلیل کہ درخواست گزار کا مقدمہ ذیلی شق (n) کے تحت نہیں آتا صریحاً غلط سمجھا گیا ہے کیونکہ یہ وہاں لاگو نہیں ہوتی جہاں میں آجر و اجیر کا تعلق موجود ہو۔ یہاں درخواست گزار حکومت کی کل وقتی ملازم تھی اور سوائے ان معاملات کے جو کہ خاص طور پر تعیناتی کے خط میں درج ہیں وہ ان عام قوانین کے ماتحت تھی جو کہ سرکاری ملازمین پر لاگو ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا دلچسپ ہوگا کہ یہ قوانین آئین کے آرٹیکل 240 کی پیروی میں بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی یہ دلیل کہ سفیر کے طور پر کام کرتے ہوئے ان کے ساتھ ملازمتِ پاکستان کے تحت سلوک نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ان کی تعیناتی ایک **خاص معاہدہ کے تحت ہوتی تھی قابلِ قبول نہ ہے۔ بے شک انہیں مذکورہ عہدے کا قلمدان چھوڑے 2 سال نہیں گزرے۔ لہٰذا انہیں صحیح طور پرشق (k) کے تحت نا اہل قرار دیا گیا ہے ۔ ہم مذکورہ درخواست کوقابلِ سماعت قرار دیتے ہیں۔**

صدر کو آئین کے تحت تفویض کردہ فرائض اور کردار محدود ہیں۔ ان میں آرٹیکل 45 کے تحت صدارتی معافی کا حق، آرٹیکل 48 کے تحت صدر کے اختیار کو کابینہ کے مشورے پہ عمل کرنے پر محدود کرنا، آرٹیکل 56 کے تحت صدر کے ایک یا دونوں ایوانوں میں خطاب کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ صدر کے آئینی عہدے کو ملازمتِ پاکستان کے قانون کے تحت سرکاری عہدیداران جنکا تقرر آئین کے آرٹیکل 240 کے تحت کیا جاتا ہے، پر فوقیت حاصل ہے۔ اس امتیاز کو سپریم کورٹ نے **مقدمہ مبین السلام بنام فیڈریشن آف پاکستان (PLD 2006 SC 602)** میں واضح کیا ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''دونوں اصطلاحات (سرکاری ملازم اور ملازمت پاکستان) مماثل نہیں جیسا کہ مقدمہ **رجسٹرار سپریم کورٹ آف پاکستان بنام ولی محمد (1997 SCMR 141)** طے کیا جا چکا ہے جس کا متعلقہ حصہ یہاں بطور حوالہ درج کیا جاتا ہے''۔

"یہاں یہ بیان کیا جانا ضروری ہے کہ دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ دونوں اصطلاحات "**ملازمت پاکستان**" اور "**سرکاری ملازم**" کو ایک ہی معانی میں لیا جائے گا ہماری رائے میں ایسا نہیں ہے۔ '**ملازمت پاکستان**' جس کی تعریف آئین کے آرٹیکل 260 میں کی گئی ہے کا مطلب صوبائی و وفاقی معاملات کے متعلق کوئی ملازمت، عہدہ یا دفتر اس اصطلاح میں ہر طرح کی ملازمتِ پاکستان اور مسلح افواج کی ملازمت یا کوئی بھی ملازمت جسے پارلیمانی قوانین یا صوبائی اسمبلی نے ملازمت قرار دیا ہو، شامل ہیں۔

اصطلاح '**سرکاری ملازم**' کی تعریف سرکاری ملازمین کے قوانین مجریہ 1973 میں کی گئی ہے۔ یعنی کوئی شخص جو پاکستان یا وفاق کے ملازم ہو یا کوئی شخص وفاقی معاملات کے متعلق کوئی عہدہ رکھتا ہو بشمول

ایک سرکاری ملازم جو دفاع کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ "

"ملازمت پاکستان، کی تعریف جو کہ آئین کے آرٹیکل 260 میں دی گئی ہے اور سرکاری ملازمین کے قانون مجریہ 1976 کے تحت بیان کردہ **'سرکاری ملازم'** کی تعریف کے محتاط موازنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں اصطلاحات باہم مماثل نہیں ہیں۔ **'ملازمت پاکستان'** کی اصطلاح جو آئین کے آرٹیکل 260 میں استعمال کی گئی ہے سرکاری ملازمین کے قانون میں بیان کردہ اصطلاح **'سرکاری ملازم'** کی اصطلاح، کی نسبت بہت زیادہ وسیع مفہوم و تعبیر رکھتی ہے۔ جبکہ یہ تاثر کے اصطلاح **'سرکاری ملازم'** **'ملازمتِ پاکستان'** کی تعریف کے زمرے میں آتا ہے درست نہیں۔ سرکاری ملازم کی اصطلاح جو سرکاری ملازمین کے قانون مجریہ 1976 میں بیان کی گئی ہے آئین کے آرٹیکل 260 کے تحت بیاں کردہ ملازمت پاکستان کا محض ایک درجہ ہے اس نقطے کی وضاحت ایسے کی جا سکتی ہے کہ مسلح افواج کے ارکان جو ملازمتِ پاکستان کے دائرہ کار میں شامل ہیں لیکن وہ سرکاری ملازمین کے قانون اور سروس ٹربینول ایکٹ کے تحت سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ ملازمتِ پاکستان اور سرکاری ملازمت کے نقطے کی وضاحت اس عدالت کے سامنے مقدمہ بعنوان **سیدہ عابدہ حسین بنام ٹریبونل فار نیشنل اسمبلی 69 .[PLD 1994 SC 60]** میں زیرِ غور آئی۔

اس موڑ پر مقدمہ بعنوان قاضی ولی محمد کا حوالہ دینا سیاق وسباق سے باہر نہیں ہوگا۔ جس میں عدالتِ عظمیٰ کے ملازمین کی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے عدالت عظمیٰ نے قرار دیا کہ آئین کے آرٹیکل 260 میں استعمال کردہ اصطلاح ''**ملازمتِ پاکستان**'' سرکاری ملازمین کے قانون میں بیان کردہ **'سرکاری ملازم'** کی اصطلاح سے زیادہ وسیع تشریح رکھتی ہے۔ جبکہ یہ تاثر کے اصطلاح **'سرکاری ملازم'** **'ملازمتِ پاکستان'** کی تعریف کے زمرے میں آتا ہے درست نہیں۔ سرکاری ملازم کی اصطلاح جو سرکاری ملازمین کے قانون مجریہ بیان کی گئی ہے آئین کے آرٹیکل 260 کے تحت بیاں کردہ ملازمت پاکستان کا محض ایک درجہ ہے اس نقطے کی وضاحت ایسے کی جا سکتی ہے کہ مسلح افواج کے ارکان جو ملازمتِ پاکستان کے دائرہ کار میں شامل ہیں لیکن وہ سرکاری ملازمین کے قانون اور سروس ٹربینول ایکٹ کے تحت سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ لہٰذا مندرجہ بالا تمام بحث ہمیں اس نتیجے پر لے کر جاتی ہے کہ صدر سے ملازمتِ پاکستان میں ہوتے ہوئے، سیاسی سرگرمیوں میں شامل ہونے کی توقع

نہیں کی جاسکتی جیسا کہ موجودہ مقدمہ میں صدر غلام اسحاق خان کے کردار پر ثابت ہوتا ہے۔

80۔ فاضل اٹارنی جنرل نے دلیل دی کہ وزیر اعظم، وزراء اور صدر کے حلف میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر وزیر اعظم اور وزراء سیاست کر سکتے ہیں تو صدر کے لئے بھی یہ ممنوع نہیں ہے۔ ہم ان کی اس دلیل سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ یہ تمام عہدہ داران آئین کے آرٹیکل 260 میں "**ملازمتِ پاکستان** " کی تعریف کے دائرے میں نہیں آتے کیونکہ یہ اس آئینی شق کی استثناء کے تحت ہیں۔ مزید برآں صدر بالواسطہ اور وزیراعظم اور دیگر بلاواسطہ منتخب ہوتے ہیں اور وہ اپنے رائے دہندگان کی نمائندگی کرتے ہیں۔

81۔ درخواست گزار کے وکیل جناب سلمان اکرم راجہ ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسلح افواج کے سینئر افسران نے وسیع تر قومی مفاد اور سلامتی کے نام پر کئی ایسے کام کئے ہیں جنکی کوئی مضبوط قانونی بنیاد نہیں تھی۔ لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ یہ اختیارات کہاں سے اخذ کئے گئے تھے، بالخصوص ان حالات میں جب انہیں سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے دلیل دی کہ ان افراد کو مسلح افواج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود اپنے دائرہ اختیار کے متعلق ابہام تھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں۔ ماضی میں اس ضمن میں قانون سازی کی کوششیں کی گئیں۔ نظم وضبط قائم کرنا اور قانون سازی مقنّنہ کی ذمہ داری ہے۔

82۔ دوسری جانب، فاضل اٹارنی جنرل نے بیان کیا کہ جب کسی ادارے کے ارکان میں سے کوئی، جیسے آرمی، ISI یا کسی اور ادارے جو نظم وضبط کا پابند ہو کی قیادت میں سے کوئی کسی غلط کام میں ملوث ہو تو ادارہ خودبخود اس میں ملوث ہو جاتا ہے۔ اگر کسی ادارہ کا سربراہ کوئی کام کرتا ہے، تو یہ دفاع کے ادارہ اس میں ملوث نہ ہے درست نہیں۔ کسی ادارے میں فیصلے اعلیٰ سطح پر کئے جاتے ہیں اس لیے موجودہ مقدمہ میں ذمہ داری مسلح افواج کے 6لاکھ فوجیوں پر منتقل نہیں کی جاسکتی۔ اس مقدمہ میں الزام مدعا علیہ نمبر1 جو کہ اُس وقت مسلح افواج کا سربراہ تھا، مدعی علیہ نمبر2، جو کہ آئی ایس آئی کا ڈائیریکٹر جنرل تھا، اور مدعا علیہ نمبر3 جو کہ حبیب بنک لمیٹڈ کا EVP/Regional Cheif تھا، پر ہے۔ اس لیے فاضل اٹارنی جنرل کے مطابق اس بات کا تعین کرنا ہے کہ اعلیٰ سطح پر وہ کون شخص تھا جس نے یہ کام کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ سب سے زیادہ ذمہ داری اس پر ہوگی ۔ جب یہ اعمال سرانجام دیئے جا رہے تھے تو تمام افسران اور ادارے بشمول آرمی، ISIاور عدلیہ خاموش تماشائی بنے ہوئے

تھے اور جب منتخب کردہ حکومتوں کو ختم کیا گیا تو عدلیہ اس کا فریق بن گئی۔

83۔ مسلح افواج کا کردار اور فرائض **سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن بنام وفاق پاکستان (PLD 2009 SC 879)** کے مقدمہ میں تفصیلی طور پر بیان کیا جا چکا ہے، جس میں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل (1) 245 کی شقوں کے سرسری مطالعہ سے مسلح افواج کو دو درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی وہ بیرونی جارحیت یا جنگ کے امکان کی صورت میں پاکستان کا دفاع کرے گی اور قانون کے مطابق سول حکومت کی مدد کرے گی جب ان سے کہا جائے گا۔ آرٹیکل 243 کی شق(1) کے تحت مسلح افواج کا نظم ونسق وفاقی حکومت کے اختیار میں ہے، اس لیے دونوں درجوں کے فرائض کی ادائیگی میں مسلح افواج وفاقی حکومت کی ہدایات کے مطابق کام کرتی ہیں۔ اس طرح آرٹیکل 243 کی شق (1A) کے تحت صدر مسلح افواج کا منظمِ اعلیٰ ہے وہ کسی طور پر بھی وفاقی حکومت کے اختیار کو کہ وہ بیرونی جارحیت یا جنگ کے امکان کی صورت میں مسلح افواج کا پاکستان کے دفاع کے لیے یا قانون کے مطابق سول حکومت کی مدد کے اختیار کو کم نہیں کرسکتا آئین میں کوئی ایسی صورت بیان نہیں کی گئی جہاں مسلح افواج وفاقی حکومت کی ہدایت کے بغیر کام کریں۔ متذکرہ بالاشق 3 کے مطابق صدر وزیر اعظم کے ساتھ مشورے کے بعد چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی، چیف آف آرمی سٹاف، چیف آف نیول سٹاف اور چیف آف ائیر سٹاف کو تعینات کرے گا۔ آرٹیکل 244 کے تحت مسلح افواج کا ہر رکن یہ حلف اٹھاتا ہے کہ، بشمول اس کے کہ، وہ پاکستان کے ساتھ سچ اور وفادار رہے گا اور ہمیشہ آئین پاکستان کی پاسداری کرے گا اور اپنے آپ کو کسی بھی سیاسی یا دوسری سرگرمیوں میں ملوث نہیں کرے گا۔ وفاقی حکومت کی ہدایات کے بغیر مسلح افواج کا کوئی بھی عمل غیر آئینی، غیر قانونی، سرے سے ہی ناجائز اور حتمی طور پر غیر قانونی ہو گا اس لئے کہا گیا کہ وفاقی حکومت کی ہدایت کے بغیر مسلح افواج کا کوئی بھی رکن بشمول چیئرمین، جوائنٹ چیف آف سٹاف اور تینوں سروس چیفس یعنی چیف آف آرمی سٹاف، چیف آف نیول سٹاف اور ایئر فورس یا کوئی اور شخص جو ان کے ماتحت یا ان کی جانب سے کام کرتا ہے اور جو اپنے فرائض کی ادائیگی میں چاہے وہ بیرونی جارحیت کے خلاف پاکستان کا دفاع ہو یا قانون کے مطابق سول حکومت کی مدد ہو، آئین اور قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ خود اپنے لیس عمل کا ذمہ دار ہو گا۔

84۔ مذکورہ فیصلے میں یہ بھی کہا گیا کہ پاکستانی عوام جمہوریت کی بقاء کے محافظ اور امین ہیں جو کہ انہوں نے جبر

وظلم کے بعد ان تھک کوششوں سے حاصل کی جیسا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے دیباچہ میں مذکور اور تسلیم شدہ ہے۔ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ پاکستان ایک اسلامی معاشی انصاف پر مبنی جمہوری ریاست ہو گی۔ 14 فروری 1948 کو بلوچستان کے سرکاری ملازمین کی ایک مجلس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ موجودہ عارضی آئین جو کہ جمہوریت کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے نہ کہ بیوروکریسی شخصی حکومت یا آمریت پر۔ اس لیے فوجی اقتدار کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمیشہ کے لیے روکنا ہے۔ ماضی میں اس کا غلط طور پر جواز دیا گیا، اور مستقبل میں اس کو کسی بھی وجہ، اصول، نظریہ اور تھیوری پر جواز نہیں دیا جانا چاہیے۔ فوجی اقتدار قوم کی اس عظمت، عزت اور شان کے خلاف ہے جو اس نے قربانیوں کے بعد حاصل کی۔ اور یہ پاکستان کے مسلح افواج کے تمام سپاہیوں کی عظمت اور عزت کے خلاف ہے جو اپنے حلف کے تحت پاکستان کی سلامتی اور آئین پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ متعین کردہ حدود کے اندر ایک سپاہی کو بیرونی جارحیت یا جنگ کے امکان کی صورت میں پاکستان کے دفاع کے لیے اپنے خون کے آخری قطرے تک اور قانون کے مطابق وفاقی حکومت کی ہدایات کے تحت سول حکومت کی مدد کے لیے جب بلایا جائے تیار رہنا چاہیے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران ایک سپاہی کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آئین برقرار ہے اور اسے منسوخ یا سبوتاژ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اگر مسلح افواج کا کوئی رکن مندرجہ بالا یا اس سے متشابہہ کوئی عمل کرتا ہے تو وہ اپنے حلف کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اپنے آپ کو آئین اور قانون کے مطابق کاروائی کے لیے مورد ٹھہراتا ہے۔

85۔ مسئول الیہ نمبر 1 کی جانب سے پیش ہونے والے فاضل وکیل جناب محمد اکرم شیخ سینئر ایس سی نے بیان کیا کہ پاکستان آرمی ایکٹ 1952 کی دفعہ 33 کے تحت اس کا موکل اس وقت کے موجودہ صدر پاکستان کے احکامات کی پیروی کرنے کا پابند تھا۔ بغرضِ حوالہ مذکورہ دفعہ کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:۔

33۔ (1) کوئی بھی شخص اپنے احکامِ بالا کی جانب سے موصول ہونے والے قانونی احکامات پر عمل کرنے سے جان بوجھ کر اور یہ جانتے ہوئے کہ ایسا کرنے سے وہ کورٹ مارشل کا مرتکب قرار پائے گا، انکار کرے تو اسے چودہ سال قید با مشقت یا اس سے کم سزا جو مذکورہ قانون میں مروجہ ہے کا مستوجب ٹھہرایا جائے گا۔

(2) کوئی بھی شخص جو اس قانون کے تحت اپنے اعلیٰ حکام کی جانب سے دیئے جانے والے قانونی حکم

کی تعمیل سے انکاری ہوتا ہے یہ جانتے ہوئے کے اسکو کورٹ مارشل کا مجرم ٹھرایا جائے گا تو اگر یہ جرم وہ دورانِ ملازمت سرزد کرے گا تو وہ چودہ سال تک قید با مشقت کا خطا وار یا اس سے کم سزا جو اس قانون کے تحت تجویز کردہ ہو کا مستوجب ٹھہرایا جائے گا اور اگر یہ جرم دورانِ ملازمت سرزد نہیں ہوتا تو وہ پانچ سال تک کی سزائے قید یا اِس سے کم سزا جو اس قانون کے تحت تجویز کردہ ہو کا مستوجب ٹھہرایا جائے گا۔

86۔ دوسری جانب جناب سلمان اکرم راجہ ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے بیان کیا کہ افواج پاکستان کا آپریشنل یا عملی کنٹرول کبھی بھی صدر کے پاس نہیں رہا۔ یہ ہمیشہ وزیرِاعظم کی جانب سے وزارتِ دفاع کے ذریعے بھیجی گئی ہدایات پر کنٹرول کیا جاتا ہے ۔ یہ کوئی میدانِ جنگ کی ہنگامی صورتحال نہ تھی اس معاملے میں افواجِ پاکستان کے سربراہ نے ایک وفاقی سیکریٹری کی طرح کردار ادا کیا۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ چیف آف آرمی سٹاف آئین کے تحت حلف اٹھاتا ہے لہٰذا یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین کی اصل روح کا ادراک کرے اور دوسروں کی نسبت اس پر یہ ذمہ داری زیادہ قوی ہے۔ آئین کی شق 244 کے مطابق مسلح افواج کے اراکین حلف اٹھاتے ہیں جو آئین کے جدول سوئم میں مرقوم ہے اور بغرضِ حوالہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:۔

"مسلح افواج کے اراکین"

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے)

میں _____ حلفیہ بیان کرتاہوں کہ میں پاکستان کا مکمل وفا دار رہوں گا اور پاکستان کے آئین کا تحفظ کروں گا جو پاکستان کی عوام کے ارادوں کا ترجمان ہے اور یہ کے میں کسی طرح کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لوں گا اور میں ایمانداری اور وفاداری سے پاکستان کی خدمت پاکستانی بری،بحری یا ہوائی افواج کا حصہ بن کرقانون کے مطابق کرونگا۔

اللہ تعالی میری مدد فرمائے اور مجھے ہدایت عطا کرے (آمین)

ان کے مطابق مسلح افواج کے ارکان حلف کے مطابق آئین جو عوام کی خواہشات کا مظہر ہے کی پاسداری کرنے کے پابند ہیں۔ ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس پاسداری کو یقینی بنائیں کیونکہ وہ کسی میدانِ جنگ میں نہیں ہیں۔

87۔ سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن مقدمہ کے وضاحتی نوٹ میں جناب جسٹس چوہدری اعجاز احمد نے مشاہدہ کیا کہ 1973 کے آئین میں پہلی بار مسلح افواج کے اراکین کے مجوزہ حلف نامہ کو بیان کیا گیا ہے اس سے پہلے وہ آرمی ایکٹ 1952 کے تحت حلف اٹھایا کرتے تھے۔ آئین کے آرٹیکل 243 کی تشریح کرتے وقت مقدمہ شیخ لیاقت حسین بنام وفاق پاکستان (پی ایل ڈی 1999 ایس سی 504) کا حوالہ دیا گیا جس میں یہ قرار دیا گیا کہ مسلح افواج کا عملہ حتمی طور پر وفاقی حکومت کے انتظامی کنٹرول کے تابع ہے اور مسلح افواج کے ہر رکن کو آرٹیکل 244 کے تحت جدول سوئم میں بیان کردہ حلف نامہ کے تحت حلف اٹھانا لازم ہے۔ مقدمہ درویش ایم عربی ایڈووکیٹ بنام وفاق پاکستان بذریعہ سیکرٹری قانون (پی ایل ڈی 1980 لاہور 206) کا بھی حوالہ دیا گیا جس میں لاہور ہائی کورٹ نے درج ذیل اصول وضع کئے:

a۔ مسلح افواج جو کہ پاکستان کی سالمیت کی پاسدار ہیں کو کوئی پارٹی جو اقتدار میں ہے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کرے گی۔

b۔ یہ عمل نہ صرف جدول سوئم میں بیان کردہ حلف جو کہ فوج کی سیاسی سرگرمیوں میں شمولیت کی ممانعت کرتا ہے کے برعکس ہے بلکہ مزید فوج کی ساکھ کو بھی متاثر کرتا ہے۔

یہ نقطۂ نظر اس عدالت کی اجازت سے ''**جسٹس حسنات احمد خان بنام وفاق پاکستان (پی ایل ڈی 2011 ایس سی 680)**'' کے مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے۔

88۔ جناب سلمان اکرم راجہ اے ایس سی کے مطابق یہ بات بلا شک و شبہ واضح ہے کہ ریاستی اعلیٰ افسران کی خواہشات کے مطابق فنڈز میں لوٹ مار کی گئی ہے۔ اور ان فنڈز کا کوئی حساب کتاب ہی نہیں ہے۔ آئی ایس آئی میں کسی سیاسی سیل کے مبینہ وجود کے پیچھے پناہ لینے کی کوئی بھی کوشش کوئی دفاع نہ ہے جیسا کہ فوج کے اعلیٰ افسران جنرل ریٹائرڈ بیگ اور جنرل ریٹائرڈ درانی اس نام نہاد سیاسی سیل کے تحت کوئی ایسا کام کرنے میں حق بجانب نہ تھے جو کہ آئین کو سبوتاژ کرنے کا موجب بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ مورخہ 17.10.2012 کو دائر کردہ متفرق درخواست نمبر 4417/2012 میں مسئول الیہ نمبر 2 نے بیان دیا کہ وہ آئی ایس آئی میں کسی سیاسی سیل کے وجود سے ہی واقف نہ تھے جس کی سربراہی وہ کرتے تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ مختلف ادوار میں شاید کسی

ایسے سیل کا وجود رہا ہو۔ یہ واضح ہے کہ ستمبر اکتوبر 1990 کا غیر قانونی آپریشن کسی سیاسی سیل کی ہدایات کے مطابق آپریشن نہ تھا۔ یہ ایک قومی مفاد کے نام پر انتخابی عمل کو سبوتاژ کرنے کی مکروہ کوشش تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت کے موجودہ صدر کی جو بھی ہدایات تھیں وہ ایک ضابطے کے تحت اکسی ماتحت افسر کے ذریعے سے پہنچائی جانا ضروری تھیں۔ اور ایسی ہدایات کا کوئی دفتری ریکارڈ موجود نہیں ۔ یہ ہدایات اگر کبھی تھیں تو آئین کو پامال کرنے کی غیر قانونی تراغیب کی صورت میں تھی جس کی کوئی سرکاری حیثیت نہ تھی۔

89۔ فاضل اٹارنی جنرل نے بیان کیا کہ ریاست کا کوئی بھی اہلکار خواہ وہ صدر جو کہ فوج کا سپریم کمانڈر ہے یا وزیراعظم جو کہ ملک کا چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے یا وفاقی وزراء یا کوئی بھی غیر قانونی احکامات صادر کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ کوئی شخص آئین کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص انتخابات میں دھاندلی کر سکتا ہے ۔ ایسی ذمہ داری پاکستان میں کسی پر نہیں ہے لہٰذا صدر پاکستان بھی اس سے مبرا نہیں کیوں کہ ان کا حلف نامہ دیگر صاحبِ اقتدار شخصیات کے لیے آئین میں درج شدہ حلف ناموں سے مختلف نہیں ہے۔

90۔ پس یہ قرار دیا جا تا ہے کہ صدر پاکستان مسلح افواج کے سربراہ یا ڈی جی ISI کو کوئی حکم جاری نہیں کر سکتے تھے کیونکہ صدر کے پاس مسلح افواج کی بابت کوئی انتظامی اختیارات نہ تھے حتیٰ کہ آٹھویں آئینی ترمیم کے بعد بھی۔ جبکہ آئین کے آرٹیکل 243 کے مطابق مسلح افواج کی اعلیٰ کمان صدر کو سونپے جانے کا کہا گیا ہے۔ صدر کو کوئی خودمختار انتظامی اختیار نہیں دیا گیا۔ اس آئینی ترمیم نے صدر کے افعال کے حوالے سے دو بڑے درجات تشکیل کئے تھے۔ پہلے درجہ ان افعال پر مشتمل ہے جو کہ آرٹیکل 48 کے تحت وزیراعظم کے مشورے (Advice) کے مطابق صدر نے سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ دوسرا درجے پر وہ افعال ہیں جو صدر نے اپنی صوابدید کے مطابق مخصوص حالات میں سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جس کے تحت صدر نے اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ آٹھویں آئینی ترمیم کے بعد بھی صدر کو اعلیٰ کمان کی حیثیت سے یہ اختیار کبھی نہ تھا کہ وہ اپنے اطمینان اور صوابدید کے مطابق کوئی عمل کرے۔ نتیجتاً اپنے پسندیدہ سیاستدانوں میں روپے کی تقسیم سے متعلق غیر قانونی احکامات تو درکنار قانونی احکامات بھی جاری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلا مضرتِ سابق الذکر صرف قانونی احکامات کی بجا آوری لازم ہوتی ہے۔ تمام غیر قانونی احکامات ماننے والے افسران انفرادی طور پر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ تمام افسران بالا جو غیر قانونی

احکامات دیتے ہیں یا اپنے ماتحتوں کو غیر قانونی کام کرنے سے روکنے میں ناکام ہوں بھی ذمہ دار اور شریک جرم ہوتے ہیں۔ متعلقہ ریاستی اتھارٹیز کی جانب سے کارروائی کرنے میں ناکامی کی صورت میں پاکستانی شہریوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری عدالت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ریاست کے تمام اداروں بشمول الیکشن کمیشن آف پاکستان کو ہدایات جاری کرے اور تفتیش و تحقیق و چارہ جوئی کے ضروری احکامات بھی جاری کرے۔

91۔ فاضل سینئر وکیل اکرم شیخ نے دلیل دی کہ مسئول علیہ نمبر 1 نے 1973ء کے آئین کے تحت حلف نہیں لیا تھا۔ اس لیے وہ آئین کے جدول سوئم میں درج شدہ مسلح افواج کے اراکین کے لیے دیئے گئے حلف نامے کا پابند نہ ہے۔ دوسری طرف درخواست گزار کے فاضل وکیل سلمان اکرم راجہ نے کہا کہ آئین کے آٹیکل 244 اور جدول سوئم میں دیئے گئے عہدے کا حلف بالخصوص مسلح افواج کے اراکین کے حلف کی تقدیس واجب العمل ہے۔

92۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ریاست کے کسی اہلکار کا حلف کی خلاف ورزی یا کوئی غیر قانونی عمل کرنا اس کا انفرادی فعل ہوتا ہے جس کے لیے صرف وہی فرد قانون کے مطابق ذمہ دار ہوتا ہے اور جس ادارے سے اسکا تعلق ہو، اسے کسی بھی طور سے اس میں ملوث نہ کیا جائے ۔ مسئول علیہ نمبر 1 کے فاضل وکیل کے یہ دلائل درست نہ ہیں کہ مسلح افواج کے وہ افسران جنہوں نے 1973ء کے آئین کے نفاذ سے پہلے حلف لیے ہیں۔ ان کو آئین سبوتاژ کرنے کا ذمہ دار / مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آئین کے آرٹیکل 5 کے تحت ہر شہری پر آئین کی اطاعت لازم ہے۔ مزید براں پہلے کا کوئی حلف جو پاکستان سے وفاداری کا متقاضی تھا لازمًا موجودہ آئین سے وفاداری پر مشتمل ہے۔ پاکستان کی بحیثیت ریاست تعریف آئین میں کی گئی ہے۔ آئین سے وفاداری کے بغیر پاکستان سے وفاداری کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔ اس لیے مسئول علیہ نمبر 1 یہ موقف اختیار نہیں کرسکتا کہ بحیثیت آرمی چیف اس پر آئین کی اطاعت لازمی نہ تھی۔ عہدے کے حلف کا تقدس برقرار رکھنا، آئین کے برخلاف احکامات نہ ماننا اور آئین کی اطاعت تمام شہریوں کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل مقدمات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

a۔ **سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن بنام وفاق (پی ایل ڈی 2009 ایس سی 879)** صفحہ نمبر 1032 پیرا نمبر 54، 56، 57۔

b۔ **حسنات احمد خان بنام وفاق پاکستان (پی ایل ڈی 2011ایس سی 880)** صفحہ نمبر 731 پیرا نمبر 40۔

c۔ **وطن پارٹی بنام وفاق(کراچی میں امن و عامہ کی صورتحال) (پی ایل ڈی 2011ایس سی 997)** صفحہ نمبر 1022۔

d۔ این آر او کے فیصلے کا نفاذ **عدنان اے خواجہ بنام ریاست (فوجداری کی متفرق درخواست نمبری 486/2010 معارفہ فوجداری اپیل نمبری 22/2002اور سوموٹو مقدمہ نمبر 4/2010**)حکمنامہ بتاریخ 10.01.2012۔

93۔ یہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ مقدمات کے تمام مسئول علیہان نے سیاستدانوں کے گروپ میں رقوم کی تقسیم کو تسلیم کیا ہے۔ مسئول علیہ نمبر2 نے نہ صرف اپنے مراسلہ مورخہ 1994-6-7 بلکہ اپنے بیان حلفی مورخہ 1994-07-24 ، جامع جواب مورخہ 2012-3-8 اور عدالت کے سامنے دیئے گئے بیان میں تسلسل سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ انہوں نے مسئول علیہ نمبر 1 ، اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف کی ہدایت پر مسئول علیہ نمبر 3 کی طرف سے دی گئی رقوم کی تقسیم کے ذریعے آئی جے آئی کو انتخابی مہم میں مالی معاونت فراہم کی۔ جبکہ مسئول علیہ نمبر 1 نے درخواست میں دیئے گئے اپنے جواب مورخہ 1997-2-23 میں کہا کہ مسئول علیہ نمبر 3 نے انہیں بتایا کہ صدارتی انتخابی سیل نے انہیں ایک سو چالیس ملین روپے کی رقم مہیا کرنے کی ہدایت کی۔ بعد میں لیفیٹنٹ جنرل ریٹائرڈ درانی نے انہیں بتایا کہ آئی ایس آئی نے مختلف خفیہ اکاؤنٹس کھولے اور مسئول علیہ نمبر 3 کی طرف سے ان اکاونٹس میں ایک سوچالیس ملین روپے کی رقم جمع کرائی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ڈی جی، آئی ایس آئی نے انتخابی سیل کی ہدایات پر وہ رقوم مختلف سیاستدانوں میں تقسیم کرنے کے انتظامات کئے ۔مسئول علیہ نمبر2 اسے پہلے ہی تسلیم کر چکے ہیں ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس وقت کے صدر جناب غلام اسحاق خان کے ساتھ ملاقات میں انہوں نے انکو مسئول علیہ نمبر 3 کی طرف سے دی گئی رقوم اور ڈی ۔جی آئی ایس آئی کی طرف سے اسکے استعمال کے متعلق بتایا۔ مسئول علیہ نمبر 3 نے جواب میں اپنے بیان حلفی مورخہ 2012-3-8 میں کہا کہ انہیں مسئول علیہ نمبر 1 نے کہا کہ اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان نے انہیں انتخابات سے پہلے ''**وسیع تر قومی مفاد**''میں 350 ملین روپے کا بندوبست کرنے کو کہا۔ انہوں نے مزید

کہا کہ مسئول علیہ نمبر 1 نے انہیں صدر غلام اسحاق خان سے متعارف کرایا اورانہیں (صدر) بتایا کہ انکی خواہش کے مطابق مطلوبہ رقم کے بندوبست کے معاملے پر ان (مسئول علیہ نمبر3) سے بات چیت کی گئی اور بالآخر حبیب بنک لمیٹڈ کی صوبائی اور انتظامی کمیٹی کی طرف سے دوستوں اور کاروباری واقف کاروں یوسف میمن، رفیق طور وغیرہ کے نام قرضہ جات کی منظوری کے بعد انہوں نے 1480 ملین روپے (ایک سو اڑتالیس کروڑ) کا بندوبست کر لیا۔

94۔ مسئول علیہ نمبر1 سے3 کے بیانات/بیانِ حلفی کو یکجا کر کے پڑھا جائے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسئول علیہ نمبر3 کی طرف سے 1990ء کے عام انتخابات میں ایک مخصوص سیاسی گروپ کے پسندیدہ امیدواروں کی مدد کیلئے مخصوص رقم کا بندوبست کیا گیا۔ اس رقم کا بندوبست ایوانِ صدر میں قائم کردہ انتخابی سیل کی ہدایات کے تحت کیا گیا مسئول علیہ نمبر2 کی زیرِ نگرانی مخصوص اکاؤنٹس کھول کر رقم کی تقسیم عمل میں لائی گئی۔ اس بارے میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ دورانِ کارروائی یہ الزام لگایا گیا کہ اخبارات میں شائع کردہ رپورٹس کے مطابق وصول کنندگان میں سے ایک سیّدہ عابدہ حسین نے رقم کی وصولی کو تسلیم کیا ہے۔

95۔ مندرجہ بالا افراد کے بیانات سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ ایوانِ صدر میں ایک سیل موجود تھا جو رقوم کی تقسیم کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہا تھا اور ایوانِ صدر کے کچھ افسران صدر کی براہ راست نگرانی کے تحت اس میں شامل تھے ان تینوں افراد کا بالواسطہ اور بلاواسطہ صدارت / صدر سے تعلق تھا۔ اس معاملے کے تناظر میں کہ آیا یہ خود صدر کی زبانی ہدایت کے تحت کیا گیا یا انکی جگہ کسی اور نے اپنی ہدایت /محتاط رہنمائی کے تحت یہعمل سرانجام دیا۔ مسئول علیہ نمبر۲ نے عدالت میں پیشی کے دوران یہ اعتراف کیا کہ انھوں نے مسئول علیہ نمبر1 کی ہدایت پر یہ کام کیا تھا جیسا کہ انھوں نے کہ کہا کہ انکی ماتحتی میں ایم ائی کے بریگیڈیر ریٹائرڈ حامد سعید معاملات کی نگرانی کر رہے تھے اس لیے انھیں عدالت میں پیش ہونے کا نوٹس جاری کیا گیا تھا۔ اسکے مطابق وہ پیش ہوئے عدالت میں تحریری بیانات داخل کیے جو کہ پہلے تحریر کیے جا چکے ہیں۔

96۔ درخواست گزار کے فاصل وکیل نے مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ یہ 1975ء میں جاری کردہ اعلامیہ کا نتیجہ نہیں ہے جس کے تحت آئی ایس آئی میں ایک سیاسی سیل ہونا چاہیے۔ ایک مناسب وقت تک کیلئے اس پر

انحصار کیا جا سکتا تھا۔آئی ایس آئی ایسے اقدامات خود اپنے ایماء پر کرتی رہی ہے جو ان کے تصور کے مطابق قومی مفاد میں تھے۔ 1975ء کے نوٹیفیکیشن کے تحت انھیں ان کاموں کا اختیار نہیں تھا جو کہ انھوں نے خود ہی اخذ کر لیے تھے۔ یہ اعلامیہ بدنظمی سے متعلق ہے ۔ یہ جاننا اہم ہے کہ مملکت کے امور کس طرح سے سرانجام دیئے جائیں اختیارات کی مماثلت اور افعال کے لیے قانونی بنیاد ہونی چاہیئے۔الزام علیہم میں سے ایک جناب روائیداد خان نے بھر پور طریقے سے کسی ایسے سیل کی موجودگی سے انکار کیا۔ عدالت یہ فرض کر سکتی ہے کہ ایسا کوئی سیل نہیں تھا اسکے برعکس سیل کی موجودگی کو کوئی چیز تقویت نہیں دیتی۔سن 1990ء میں کوئی وقت ایسا نہیں تھا جب صدر وزیراعظم کے مشورے سے آزاد ہو۔

97۔ سال 1975ء میں یہ ریکارڈ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سابق وزیراعظم منتظم اعلیٰ نے ایک انتظامی حکم کے ذریعے جو 1975ء مئی کے مہینے میں جاری ہوا تھا۔ISI میں ایک سیاسی سیل قائم کیا، جس کی ایک شاخ کے سپرد سیاسی ذمہ داریاں کی گئیں۔ اندازاً اسکے پسِ پشت وفاقی حکومت کو سیاسی عوامل میں مدد فراہم کرنے کا مقصد کار فرما ہو گا۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کیا ہے کہ ہمارے متعدد بار ہدایات جاری کرنے کے باوجود مذکورہ نوٹیفکیشن سامنے نہ لایا گیایا اسے مخفی رکھا جا رہا ہے۔ تاہم جہاں تک اس ادارے کے اسٹریٹیجک معاملات میں شمولیت کا تعلق ہے آئین کے آرٹیکل 243 کے تحت فوجی قیادت ملک کے خلاف اندرونی اور بیرونی محاذ آرائی کے دفاع کا کام سرانجام دیتی ہے۔ یہ عدالت موجودہ مقدمہ میں اپنے دائرہ اختیار کو صرف آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت رائے دہندگان کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی تک محدود رکھنا چاہتی ہے اور فوجی قیادت کی ذمہ داریوں کی گہرائی میں جانے کی متمنی نہیں۔ تاہم تاریخ کے گزشتہ ابواب کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کے ماضی میں بیشتر اوقات فوجی قیادت نے مارشل لاء کا نفاذ کیا جو جمہوری نظام کے خاتمہ کا موجب بنا۔ ایک منتخب نمائندہ بطور وزیراعظم یا منتظم اعلیٰ کسی بھی حالت میں یہ اختیار نہیں رکھتا کہ وہ ISI کی سیاسی اور غیر آئینی سرگرمیوں کی پشت پناہی کرے۔ جس کے بدل میں آئی ایس آئی کے سربراہ، ڈائیریکٹر جنرل نے سابق چیف آف آرمی اسٹاف کو شاملِ حال رکھتے ہوئے ناجائز احکامات کے ذریعے جمہوری عمل میں رکاوٹ ڈالی بجز اس کے کہ شہریوں، ووٹرز اور رائے دہندگان کو اپنے نمائندے آزاد، صاف، شفاف طریقے سے منتخب کرنے کا اختیار دیا جاتا۔ وردی میں موجود مسلح افواج کے جرنیلوں کا یہ عمل نہ صرف نظم و ضبط کی خلاف ورزی ہے بلکہ مذکورہ عمل سے مسلح

افواج کے ادارے کی بدنامی بھی ہوئی ہے جبکہ انکے مجوزہ عمل سے اس موضوع، پر آئینی اقدار کی نفی بھی کی گئی۔

98۔ پس اسکے برخلاف کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا ماسوائے اس کے کہ مسئول علیہان نمبر1 اور 2 نے پاکستان آرمی کے جرنیل ہونے کے باوجود پاکستان کے سابقہ صدر مرحوم غلام اسحاق خان کے ساتھ ملی بھگت کر کیاصدر کے حمایت یافتہ پسندیدہ نمائندوں، سیاسی جماعت یا جماعتوں کی مجموعی کامیابی کو یقنی بنانے کیلئے من مانے نتائج کے حصول کیلئے کچھ سیاسی شخصیات کو مالی مدد فراہم کرکے کرپشن اور بدعنوانی میں ملوث ہوئے۔ جیسا کہ مسئول علیہان نمبر2 اور 3 نے اپنے حلف ناموں میں اقرار کیا ہے۔ اور اس طریقہ سے انتخابی عمل کومتاثر کیا گیا۔ اور پاکستان کی عوام کو اپنے نمائندوں کو خود منتخب کرنے کے جائز حق سے محروم کیا گیا۔ یہاں یہ دہرانا ضروری نہیں کیونکہ ہم اس کا اعادہ مسلح افواج کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے متذکرہ بالا بحث میں پہلے ہی کر چکے ہیں کہ مسلح افواج کے رکن کو اندرونی اور بیرونی خطرات کا سامنا کرتے ہوئے اپنے آپ کوخون کا آخری قطرہ بہانے تک صرف اور صرف پاکستان کے دفاع کیلئے وقف کر دینا چاہئے اور قانون کے مطابق عمل کر تے ہوئے جب ان کو وفاقی حکومت کی جانب سے ہدایات ملیں تو وہ سول انتظامیہ کی مدد کو آئیں۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران ایک سپاہی کا فرض ہے کہ وہ یہ دیکھے کے آئین کی پاسداری کی جا رہی ہے کہیں وہ مسخ تو نہیں کیا جا رہا، یا سبوتاژ تو نہیں کیا جا رہا یا اس کی خلاف ورزی تو نہیں کی جا رہی ۔ پس مذکورہ بالا مشاہدات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ اگرچہ پاکستان کا صدر مسلح افواج کی اعلیٰ کمان کے اختیارات رکھتا تھا جو آئین کے تحت اسے حاصل تھے مگر پھر بھی اسے ایسا کوئی اختیار حاصل نہ تھا جس کے تحت وہ کوئی انتخابی سیل قائم کرتا یا کسی بھی طریقے سے سرپرستی یا مدد کرتا، مسلح افواج یا سول انتظامیہ کومن مانے انتخابی نتائج کے حصول کے لیئے ہدایات جاری کرتا اور اگراُس کی جانب سے کوئی ایسا غیر قانونی حکم جاری ہوا بھی تو اس کی تعمیل واجب نہ تھی۔

99 ۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس عدالت نے وقتاً فوقتاً یہ قرار دیا ہے کہ حکومتی اداروں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے حکامِ بالا کے ان احکامات اور ہدایات پر عملدرآمد کریں جو قانونی اور ان کے مجاز اختیار میں ہو۔ غیرقانونی یا بلا جواز ہدایات/ حکم پر اس دلیل کے تحت عمل کرنا کے حکم کی نافرمانی سے مذکورہ سرکاری ملازم کو محکمانہ انظباطی کارروائی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، غیر مئوثر ہے۔ اس معاملے میں مقدمہ **زاہد اختر بنام گورنمنٹ آف پنجاب (PLD 1995 SC 530)** کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جس میں طے کیا گیا کہ:

''ہمیں اِس چیز پر زور دینے کی ضرورت نہیں کہ ایک مطیع و معاون بیوروکریسی نہ تو حکومت کی مدد گار ہو سکتی ہے اور نہ ہی انتظامی معاملات میں اُس سے امید کی جا سکتی ہے کہ اُسے عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ بہترین طرزِ حکمرانی کا دارومدار بہت حد تک راست،اِیماندار اور مضبوط بیوروکریسی پر ہے۔ لہٰذا صرف حکامِ بالا کی خواہشات پر عمل کرنا بیوروکریسی میں قابلِ قبول نہ ہے، منتخب نمائندگان حکومتی اداروں میں انتظامی انچارج کے درجے پر فائض ہوتے ہیں اور اُن سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ پیچیدہ انتظامی امور پر گہری دسترس رکھتے ہوں گے لہذا ایک بیوروکریٹ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ منتخب نمائندوں کو انتظامی امور کے متعلق آگاہ کرے اور انکو قانون کے مطابق اپنی ذمہ داریا ں ادا کرنے کے بارے درست راستہ دِکھائے۔ کبھی کبھار سرکاری افسران کی جانب سے ان منتخب نمائندوں کے ہر حکم کی تعمیل انکے علم میں مذکورہ حکم کے قانونی نقائص لائے بغیربلا حیل و حجت کرنے کا نتیجہ نا عاقبت اندیشانہ نکلتا ہے جو کہ مرتبہ وار نظام ِعمل کے لیئے نقصان دہ ہوتا ہے''

اس تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک سرکاری ملازم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے حکامِ بالا کی صرف ان ہی ہدایات /احکامات کی تعمیل بجا لائیں جو قانونی ہیں اور ان کے دائرہ اختیار کے تحت ہیں۔ ایک غیر قانونی یا ایک بلااختیار ہدایت یا حکم کی تعمیل کبھی بھی اس بنا پر موزوں قرار نہیں دی جا سکتی کہ یہ حکم نامہ حاکمِ اعلیٰ کی طرف سے آیا تھا نہ ہی اس تابعداری کو اس بنیاد پر دفاعی جواز فراہم کیا جا سکتا ہے کہ اس کی عدم تعمیل متعلقہ سرکاری ملازم کے خلاف محکمانہ کاروائی کے خطرہ سے خالی نہ ہو گی۔

مقدمہ محمد اختر شیرانی بنام پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ 2004SCMR 1077میں بھی عدالت نے یہی فیصلہ کیا:

''یہ ایک افسوناک امر ہے کہ محکمانہ حکام جو معاملات کو چلانے کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے اعلیٰ حکام کی ذاتی خواہشات اور تمنائوں کے مطابق کا م کرتے ہیں۔ اور ان کے غیر قانونی احکامات کو نافذ کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہر ہ نہیں کرتے، یہ جانتے ہوئے بھی کے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں اور اگر اس حکم کو نافذ کیا گیا تو اس سے یقینا مستقبل میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی ۔ اس عدالت نے بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ محکمانہ کارندے اپنے اعلیٰ حکام کے صرف قانونی احکام پر عمل درآمد کے پابند ہیں اور اگر ان پر غیر قانونی احکام پر عمل در آمد کے لئے دبائو ڈالا جا ئے تو ان کو چاہیے کے وہ اپنا اختلافی نوٹ ریکارڈ پر لے کر آئیں اور اگر اس طریقے پر عمل در آمد کیا جائے تو غیر قانونی احکامات جاری کیئے جانے کے امکانات حتٰی المقدور حد تك مفقود ہو جائیں گے''۔

اس بابت مندرجہ ذیل مقدمات پر بھی انحصار کیا گیا:

صوبہ پنجاب بنام ابرار یونس بٹ (2004 SCMR 67)، اقبال حسین بنام صوبہ سندھ (2008 SCMR 105)، حکومت پاکستان بنام فرہین راشد (2009 PLC (CS) 966)، انسانی حقوق کا مقدمہ نمبر 4668 of 2006 وغیرہ (PLD 2010 SC 759) اور محمد افسر بنام ملك محمد فاروق (2012 SCMR 274)

100۔ پس یہ واضح ہے کہ مسئول علیہان نمبر1 اور2 کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے اعلیٰ حکام کی جانب سے جو جائز اور قانونی حکم اور ہدایات آئی تھیں ان پر عمل کرتے جب کہ سابق صدر کی جانب سے آنے والی ناجائز ہدایات اور غیر قانونی احکامات پر عمل نہ کرنا اُن کے اختیارات میں تھا اور اِس بات کو جواز بناتے ہوئے اپنا دفاع کرنا کہ وہ مجاز اتھارٹی کی طرف سے جاری کردہ ہدایات پر عمل کرنے کے پابند تھے اور اگر وہ اس پر عمل نہ کرتے تو اِن کے خلاف انضباطی کاروائی کا خدشہ تھا درست نہیں۔

101۔ یہ بھی ریکارڈ سے ثابت شدہ ہے کہ مسئول علیہہ نمبر1اور 2 کی فوجی مدد کے بغیر رقوم کی تقسیم ممکن نہیں

تھی۔مختلف صوبوں سے تعلق رکھنے والے مختلف افراد کو رقوم کی تقسیم کی بابت کوئی متاثر کن اور قانونی طور پر قابلِ قبول شہادت مسئول علیہہ نمبر2 کی جانب سے ریکارڈ پر نہیں لائی گئی۔حکم مئورخہ 22-06-2012 کے مطابق انہوں نے ایک مختصرا بیان مئورخہ **30-07-2012 کو CMA No. 3307/2012** کے ذریعے داخل کیا، جس کے مندرجات درجِ ذیل ہیں:

''مسئول علیہہ نمبر2کی جانب سے مختصرا بیان

جیسا کہ عدالت نے بحکم مئورخہ 22-06-2012 وضاحت کی جو کہ درجِ ذیل ہے:

''کہ اُسی دوران، فاضل وکیل جو کہ جنرل (ر) درانی کا دفاع کر رہے ہیں وہ ریکارڈ پر اپنا مختصر بیان داخل کرائیں جو کہ شہادتوں اور حلف نامے کے ذریعے اُن افراد کی تفصیلات ظاہر کرے جنہیں آرمی چیف جنرل اسلم بیگ کی ہدایات پر رقوم تقسیم کی گئیں اوراُن لوگوں کے نام بھی دیں جنہیں جناب بلال حیدر زیدی جو کہ ایوانِ صدر میں اُس وقت کے صدرِ پاکستان غلام اسحٰق خان مرحوم کی جانب سے مقرر کردہ ٹیم کے سربراہ تھے نے وقتاً فوقتاً رقوم فراہم کیں۔

زیرِ دستخطی نے کل رقم چودہ کروڑ روپے کی رقم میں سے تھی تقریباً سات کروڑ روپے تقسیم کی تھی اور باقی ماندہ رقم آئی ایس آئی کے مخصوص فنڈ میں جمع کرا دی گئی تھی۔

یہ کہ جوابدہ مسئول علیہہ نے یہ ذمہ داری ملٹری انٹیلی جنس کے کچھ افسران کے سپرد کی تھی جن کو معلومات تھیں کہ یہ رقم انتخابی مقاصد کیلئے تقسیم کی جا رہی ہے۔انہوں نے اپنی ذمہ داری کے مطابق رقوم تقسیم کیں اور جوابدہ مسئول علیہہ کو اُس کی تقسیم کے متعلق معلومات دیں۔

یہ کہ اِن افسران کے نام اور کچھ اور اہم دستاویزات زیرِ دستخطی کے پاس موجود ہیں جو کہ وہ سربمہر لفافے میں عدالتِ ہٰذا کے روبرو پیش کریں گے۔ جوابدہ مسئول علیہہ یہ بیان کرتا ہے کہ اِن دستاویزات کی نوعیت انتہائی اہمیت کی حامل ہے''۔

درجِ بالا دستاویز کی نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ صرف ایک فہرست ہے جس میں ان افراد

کے نام دیئے گئے ہیں جن کے مابین رقوم تقسیم کی گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ کوئی دستاویز منسلک نہیں جو کہ اُن پر لگائے گئے الزامات کو ثابت کرے لہٰذا مختصرا بیان کو دیکھنے کے بعد اسے ان ہدایات کے ساتھ لوٹا دیا گیا کہ دستاویز کو محفوظ تحویل میں رکھا جائے اور جب اس کی ضرورت ہو عدالت کے روبرو پیش کیا جائے۔ معاملے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسئول الیہہ نمبر2 کی جانب سے رقوم وصول کرنے والے افراد جن کی تفصیلات اُن کے حلف نامہ مئورخہ 24-07-1994 اور مسئول علیہہ نمبر3 کا بیان جو کہ انہوں نے زیرِ دفعہ 161 ضابطہ فوجداری مہران بنک کے مقدمے میں ریکارڈ کروایا کے خلاف تحقیقات قانون کے مطابق شفاف طریقہ کار سے کسی تحقیقاتی ایجنسی کے ذریعے کرائی جانی چاہئیں۔ مذکورہ افراد کے نام اور رقوم کی تقسیم کی تفصیلات جو کہ مسئول علیہ نمبر2 کی جانب سے ان کے حلف نامے میں منسلک تھیں اور مسئول علیہہ نمبر3 نے اپنے پہلے درج شدہ بیان میں پیش کیں درجِ ذیل ہیں:

تفصیلات/رقم وصول کرنے والوں کے نام جو کہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) ایم اسد درانی نے اُن کے حلف نامے مئورخہ 24-07-1994 کو دیئے

صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ)	میر افضل	ایک کروڑ
پنجاب	نواز شریف	پینتیس لاکھ
	لیفٹیننٹ جنرل (ر) رفاقت	چھپن لاکھ (میڈیا کیلئے)
	جماعتِ اسلامی	پچاس لاکھ
	عابدہ حسین	دس لاکھ
	الطاف حسین قریشی اور مصطفیٰ صادق	پانچ لاکھ
	مختلف اور چھوٹے گروپوں کو تقسیم	تینتیس لاکھ انتالیس ہزار

سندھ	جتوئی	پچاس لاکھ
	جام صادق	پچاس لاکھ
	جونیجو	پچیس لاکھ
	پیر پگاڑا	بیس لاکھ
	مولانا صلاح الدین	تین لاکھ
	مختلف اور چھوٹے گروپوں میں تقسیم	چون لاکھ
بلوچستان	ہمایوں مری (بگٹی کے داماد)	پندرہ لاکھ
	جمالی	چالیس لاکھ
	کاکڑ	دس لاکھ
	کے بلوچ	پانچ لاکھ
	جام یوسف	سات لاکھ پچاس ہزار
	بزنجو	پانچ لاکھ
	ندیم مینگل	دس لاکھ
	بذریعہ متوقع گولف کورس	پانچ لاکھ
	متفرق (بینک کے اور دیگر اخراجات) وغیرہ	گیارہ لاکھ گیارہ ہزار سات سو

تفصیلات اور رقم وصول کرنے والے افراد کے نام جو کہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) ایم اسد درانی نے اُن کے مراسلے مئورخہ 07-06-1994 کو تحریر کیا:

a۔ کھر کو بیس لاکھ، حفیظ پیرزادہ کو تیس لاکھ، سرور چیمہ کو پانچ لاکھ اور معراج خالد کو دو لاکھ دیئے گئے۔ آخر میں بیان کردہ دو افراد غلط نہیں تھے صرف کسی کے دل میں اُن کے لئے نرم گوشہ ہونے کی وجہ سے اُنہیں فائدہ پہنچایا گیا۔

b۔ باقی ماندہ آٹھ کروڑ یا تو آئی ایس آئی کے Kفنڈ (چھ کروڑ) میں جمع کرائے گئے یا ڈائریکٹرایکسٹرنل انٹیلی جنس کومخصوص فرائض سرانجام دینے کیلئے فراہم کئے گئے۔

رقوم کی تفصیل کے بارے میں معلومات جو کہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) ایم اسد درانی نے ان کے مختصر بیان بروئے CMA No. 3307/2012 مؤرخہ 30-07-2012 میں دیں

زیرِ دستخطی نے کل رقم چودہ کروڑ روپے کی رقم میں سے تقریباً سات کروڑ روپے تقسیم کی تھی اور باقی ماندہ رقم آئی ایس آئی کے مخصوص فنڈ میں جمع کرا دی گئی تھی۔

مسئول علیہہ نمبر2 نے یہ ذمہ داری ملٹری انٹیلی جنس کے کچھ افسران کے سپرد کی تھی جن کو معلومات تھیں کہ یہ رقم انتخابی مقاصد کیلئے تقسیم کی جا رہی ہے۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری کے مطابق رقوم تقسیم کیں اور مسئول علیہہ نمبر2 کو اُس کی تقسیم کے متعلق معلومات دیں۔

اِن افسران کے نام اور کچھ اور اہم دستاویزات زیرِ دستخطی کے پاس موجود ہیں جو کہ سربمہر لفافے میں عدالتِ ہٰذا کے روبرو پیش کیں۔ مسئول علیہہ نمبر 2 نے اِن دستاویزات کی نوعیت کو انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے عدالت کے روبرو پیش کیا لیکن عدالت نے اِس کا جائزہ لینے کے بعد وہ دستاویزات اُنہیں لوٹا دیئے اور ہدایت کہ وہ اسے محفوظ رکھیں تا کہ جب کبھی اُس کی ضرورت ہو عدالت کے روبرو پیش کی جا سکیں۔

تفصیلات اور اُن لوگوں کے نام جنہیں رقوم تقسیم کی گئیں جو کہ برگیڈئیر (ر) حامد سعید اختر نے کورٹ کے سامنے مؤرخہ 18-10-2012 کے بیان میں پیش کئے

ہدایات کی پاسداری کرتے ہوئے مختلف بینکوں میں چھ اکاؤنٹس کھولے گئے تھے جن میں 16 ستمبر 1990ء سے فنڈز جمع ہونا شروع ہو گئے تھے اور 22 اکتوبر 1990ء تک ان میں تقریباً چودہ کروڑ روپے آ چکے تھے جن میں سے بعد ازاں مندرجہ ذیل رقوم ڈائریکٹر جنرل ملٹری انٹیلی جنس کے حکم پر نکالی گئیں۔

a۔	چار کروڑ روپے	جی ایچ کیو اکاؤنٹ
b۔	ایک کروڑ پانچ لاکھ روپے	ملٹری انٹیلی جنس کوئٹہ ریجنل آفس
c۔	پچاس لاکھ روپے	قائم مقام وزیرِ اعظم جناب غلام مصطفیٰ جتوئی
d۔	پچاس لاکھ روپے	قائم مقام وزیرِ اعلیٰ سندھ جام صادق علی
e۔	پچیس لاکھ روپے	محمد خان جونیجو
f۔	تیس لاکھ روپے	عبدالحفیظ پیرزادہ
g۔	بیس لاکھ روپے	صبغت اللہ پیر صاحب پگاڑا
h۔	تیس لاکھ روپے	مظفر حسین شاہ
i۔	تیس لاکھ روپے	مظفر حسین شاہ
j۔	تین لاکھ روپے	جناب غلام علی نظامانی
k۔	بیس لاکھ روپے	ارباب غلام رحیم
l۔	تیس لاکھ روپے	جناب صلاح الدین (تکبیر)
m۔	پانچ لاکھ روپے	جناب یوسف ہارون
n۔	اڑتیس لاکھ اٹھائیس ہزار روپے	سندھ رجمنٹل سنٹر ، مذکورہ رقم انٹیروگیشن سیل میں رہائش کی بیرکوں میں بھی خرچ ہوئی

بقایا رقم Rs. 67,628,511/- بمع سود بعد میں بینک گوشوارے کے ہمراہ جی ایچ کیو کو بھجوا دی گئی تھی (میں یہاں یہ بیان کرنا پسند کروں گا کہ ملٹری انٹیلی جنس میں میری نوکری کے دوران میرا یہ خیال تھا کہ فنڈز جی ایچ کیو بھیج رہا ہے)

مزید برآں کچھ اور مواد جو کہ غیر ترتیب شدہ ہے اور جس کو قانون کے مطابق ثابت کئے جانے کی ضرورت ہے بھی ریکارڈ کیلئے پیش کیا گیا جو کہ رقوم کی منتقلی اور نکالے جانے کی کچھ تفصیلات فراہم کرتا ہے ۔ ذیل میں دیا جا رہا ہے:

تفصیلات اور معلومات جو کہ رقوم کے لین دین سے متعلق ہیں اور پیپر بک کے صفحہ نمبر 163 پر اہم نکات کی مد میں درج ہیں

کچھ اہم نکات

1۔ ستاسٹھ لاکھ بیس ہزار روپے بعد میں جی ایچ کیو کے ویلفیئر فنڈ میں منتقل کئے گئے تھے۔ بیان کے مطابق تقریباً تین کروڑ روپیہ ''**فرینڈز**'' نام کی ایک تنظیم کو جنرل بیگ کی ملازمت کے آخر کے دنوں میں اُن کی ہدایات پر دیا گیا تھا۔ بقایا رقم جی ایچ کیو کے ویلفیئر فنڈ میں موجود ہے۔

2۔ چار کروڑ روپے میں سے دو کروڑ روپے پنجاب اور دو کروڑ روپے صوبہ سرحد کو دیئے گئے۔ اخراجات اور رقوم کی ادائیگی کی تفصیلات ملٹری انٹیلی جنس کے متعلقہ افسران اور یونٹس کے پاس موجود ہیں۔

3۔ سندھ میں تمام ادائیگیاں لیفٹیننٹ کرنل میر اکبر علی خان جو کہ سعودی عرب میں تعینات تھے کے ذریعے تقسیم کی گئیں۔

4۔ چھ سے آٹھ خفیہ اکاؤنٹس جنرل بیگ کی ہدایات پر کھولے گئے جنہوں نے سروے اور کنسٹرکشن گروپ کراچی کا اکاؤنٹ کھولنے کی زبانی منظوری دی۔ جبکہ 202 سروے اینڈ کنسٹرکشن گروپ کے نام کا اکاؤنٹ جنرل بیگ کے علم میں نہ تھا۔

5۔ اِن اکاؤنٹس میں سے بہت سے اکاؤنٹس کی معلومات جناب یونس حبیب کو دی گئی تھیں جنہوں نے اِن اکاؤنٹس میں چودہ کروڑ روپے کی رقم اپنے متعلقہ ادارے سے مختلف تواریخ میں منتقل کی۔

6۔ جو رقوم کوئٹہ میں خرچ کی گئیں ان کی معلومات کرنل امان اللہ کو تھیں جو کہ آج کل کراچی میں ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ ہیں۔

7۔ پنجاب میں سیاستدانوں کو رقوم کی تقسیم کی معلومات جنرل بیگ اور جنرل اسد درانی اور اُس وقت

کے ملٹری انٹیلی جنس جو کہ پنجاب اور سرحد میں تعینات تھے کے پاس تھیں۔

8۔ مرحوم جنرل آصف نواز نے بھی اس پر سوال اٹھایا تھا اور 'فرینڈز' تنظیم کو جنرل اسلم بیگ کی جانب سے رقوم فراہم کرنے پر اظہارِ ناراضگی کیا تھا۔

پیپر بک کے صفحات نمبر 220 اور 221 پر دیئے گئے دستاویزات کے مطابق رقوم کی تقسیم کا حساب کتاب

''سیاسی اور دیگر ادائیگیاں

یونس حبیب نے اپنا بیان جو کہ زیرِ دفعہ 161 ضابطہ فوجداری کے تحت تفتیشی افسر کے سامنے کراچی میں ریکارڈ کروایا میں سیاسی اور دیگر ادائیگیوں کی تفصیلات کا انکشاف کیا جو کہ درجِ ذیل ہیں:

جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ	Rs. 140M
جام صادق علی اس وقت کے وزیرِ اعلیٰ سندھ	Rs.70M
الطاف حسین (ایم کیو ایم)	20M
یوسف میمن، ایڈووکیٹ (جاوید ہاشمی، ایم این اے اور دیگر افراد کو رقوم کی تقسیم کیلئے)	50M
ٹوٹل	280M
جام صادق علی 1992	150M
لیاقت جتوئی 1993ء	01M
وزیرِ اعلیٰ سندھ بذریعہ امتیاز شیخ 1993ء	12M
جناب آفاق (ایم کیو ایم) 1993ء	05M
وزیرِ اعلیٰ سندھ بذریعہ امتیاز شیخ 1993ء	01M
اجمل خان سابق وفاقی وزیر 1993ء	1.4M
نواز شریف سابق وزیرِ اعظم 1993ء	3.5M
نواز شریف سابق وزیرِ اعظم 27 ستمبر 1990ء	2.5M

جام مشہود 26-09-1993	0.5M
دوست محمد فیضی 26-09-1993	1.0M
جام حیدر 26-09-1993	2.0M
جام مشہود 26-09-1993	3.0M

جناب جاوید ہاشمی (رکن قومی اسمبلی) کو سیاسی ادائیگیاں

جناب جاوید ہاشمی جو کہ میسرز ADAGE (ایڈورٹائیزنگ پرائیویٹ لمیٹیڈ) کے 30-10-1986 سے 06-01-1990 تک شریکِ کار تھے کو بذریعہ ٹیلیگراف ٹرانسفر اور بینک ڈرافٹوں جو کہ جناب یوسف میمن (جو یونس حبیب اور جاوید ہاشمی کے درمیان رابطے کا کردار نبھا رہے تھے) کی جانب سے جاری کردہ تھے بہت سے بینکوں سے منتقل کی گئیں رقوم کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

Date	Drawn at	Drawn by	Amount
11-11-1990	UBL Multan	Javed Hashmi	Rs. 2.5 M
15-12-1990	UBL Multan	Javed Hashmi	Rs. 1.0 M
20-12-1990	UBL Multan	Rahat Malik	Rs. 0.1 M
27-03-1991	UBL Islamabad	Rahat Malik	Rs. 1.0 M
09-4-1991	UBL Islamabad	Rahat Malik	Rs. 2.0 M
12-5-1991	UBL Islamabad	Javaid Hashmi	Rs. 0.3 M
- 10-02-1991	T. T. from HBL Ichara, Lahore, on MCB Multan	Khurshid S. Shah.	Rs. 2.5 M
- 23-02-1991	Bank Draft from UBL Adamjee Nagar, Karachi, on UBL Multan	Mukhtar Hashmi	Rs. 2.0 M
- 27-04-1991	Bank Draft from Faisal Islamic Bank, Karachi, on HBL Multan	Javaid Hashmi	Rs. 1.4 M
		Total:	**Rs. 12.8 M**

- According to the statement of Mr. Rahat Malik, the amount drawn by him was handed over to Mr. Javed Hashmi.
- Rs. 14.9 million was paid by Mr. M. Yamin in presence of Mr. Yousaf Memon in Oct 1990 in cash to Mr. Javaid Hashmi in Room No.1 of MNA Hostel, Islamabad.

G. Total: Rs. 27.7 M

تفصیلات اور ان لوگوں کے نام جنہیں یونس حبیب نے مالی فائدہ بہم پہنچایا بروئے CMA No. 1034/2012

''یہ کہ جناب یوسف میمن ایڈووکیٹ نے جیو نیوز چینل کے دو ٹی وی پروگرامز (ایک کامران خان کے ساتھ اور دوسرا نذیر لغاری کے ساتھ) میں قبول کیا کہ اسلام آباد کے F-6/2 میں ایک گھر جناب جاوید ہاشمی کے نام پر خریدا گیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی قبول کیا کہ پچاس فیصد رقم سے اس گھر کی خرید پر سرمایہ کاری کی گئی (قاسم ا الملتان)۔

رقم وصول کرنے والوں میں سے ایک کا اعتراف

''مقدمے کی کارروائی کے دوران یہ الزامات عائد کئے گئے کہ رقم وصول کرنے والوں میں سے ایک سیدہ

عابدہ حسین نے اخبار میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق رقم کی وصولی کا اعتراف کیا ہے۔

102۔ مندرجہ بالا وجوہات مقدمہ ہذا میں ہمارے مختصر حکم کی وجہ ہیں جن کی بناء پر عدالت نے اپنا مختصر حکم جاری کیا تھا جو بغرضِ حوالہ درج ذیل ہے۔

''اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق پاکستان کے عوام کا اصل منشاء ایك ایسی ریاست کا قیام ہے جو عوام کے چنیدہ نمائندگان کے ذریعے اپنے اختیارات استعمال کرے اور جہاں مساوات ، آزادی اور جمہوری اقدار کا دور دورہ ہو، جس کی بدولت پاکستان کے عوام خوشحال ہوں،اپنے حقوق حاصل کریں اور اقوام جہاں کے مابین عزت و مرتبہ حاصل کریں اور انسانیت کی فلاح کیلئے اور بین الاقوامی امن کے قیام ، خوشحالی اور ترقی کیلئے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ پاکستان کے عوام نے ایك عرصہ دراز تك ایسے پارلیمانی اور جمہوری نظام کے قیام کیلئے آئین کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے جدوجہد کی ہے ۔ اور بلآخر اب وہ ایك ایسے مضبوط نظام کے قیام کی امید کر سکتے ہیں جس کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور جہاں قانون کی حکمرانی ہو ۔

انسانی حقوق کے اس مقدمے کی بنیاد آئین کے آرٹیکل 17کے تحت محفوظ شدہ بنیادی حق پر ہے۔ یہ مقدمہ بنیادی حقوق کے نفاذ کی بابت ایك اہم سوال اٹھاتا ہے جس کا تعلق مفادِ عامہ سے ہے لہٰذا آئین کے آرٹیکل (3)184کے مطابق اس عدالت کو اس مقدمے کی سماعت کا اختیار حاصل ہے اور، اُن وجوہات کی بناء پر جو بعد میں تفصیلاً قلمبند کی جائیں گی، عدالت یہ قرا دیتی ہے کہ :-

1۔ پاکستان کے عوام کو حق ہے کہ وہ جائز، منصفانہ ، ایماندارانہ اورقانونی طریقے کے مطابق منعقد کردہ انتخابات کے ذریعے اپنے نمائندگان کا انتخاب کریں ۔

2۔ 1990ء میں منعقد کردہ عام انتخابات میں بدعنوانی اور ناجائز طرزِ عمل کا

مظاہرہ ہوا جس کا اندازہ موجودہ مقدمے کی سماعت کے دوران فریقین کی جانب سے پیش کردہ بیش بہا مواد سے ہوتا ہے ۔ سماعت کے دوران یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ اس وقت کے صدر کی جانب سے ایك الیکشن سیل قائم کیا گیا تھا جس کا بنیادی مقصد پسندیدہ امیدواروں اور سیاسی جماعتوں کو مالی معاونت فراہم کرنا تھا تاکہ منصفانہ انتخابی عمل میں دراڑ ڈالی جائے اور پاکستان کے عوام کو اپنے نمائندگان چننے کے حق سے محروم کیا جائے ۔

3۔ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 41کے تحت پاکستان کے پارلیمانی نظام میں صدرِ پاکستان ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے ریاستی اتحاد کی علامت ہے اور اپنے حلف کے مطابق وہ عوامی فلاح کیلئے وہ سب کچھ کرنے کا پابند ہے جو کہ قانون کے مطابق ہو اور اُس لازم ہے کہ اس کے اعمال میں کوئی خوف، طرفداری ، یا بدنیتی شامل نہ ہو ۔ پس، اگر منصبِ صدارت کا امین تمام لوگوں اور گروہوں سے قانون اور مساوات کے مطابق غیر جانبدارانہ سلوك نہیں کرتا ، تو وہ آئین کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا ۔ جو کہ آئین اور قانون کے تحت صدر کے خلاف کاروائی کا سبب بن سکتا ہے۔

4۔ صدرِ پاکستان، چیف آف آرمی سٹاف، ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی اور ان کے ما تحت افسران یقینی طور پر کسی بھی قسم کا الیکشن سیل بنانے اور سیاسی جماعتوں اور سیاسی گروہوں کی طرفداری کے مجاز نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا کریں گے تو عوام آزادانہ انتخابات کے ذریعے ایماندارانہ اور شفاف طریقہ کار سے اپنے نمائندگان کا انتخاب نہ کر پائیں گے اور ان کا یہ عمل آئینی احکامات کے منافی سمجھا جائے گا ۔

5۔ موجودہ مقدمے میں یہ بات ظاہرہو چکی ہے کہ 1990ء کے عام انتخابات میں

ایوانِ صدر میں ایک انتخابی سیل قائم کیا گیا تھا جس کا مقصد انتخابات کے نتائج پر اثر انداز ہونا تھا۔ جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ جو کہ اس وقت چیف آف آرمی سٹاف تھے اور جنرل (ر) اسد درانی جو کہ اس وقت ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی تھے، دونوں نے اس سلسلے میں مدد فراہم کی جو کہ فوج اور آئی ایس آئی کے اداروں کی جانب سے انہیں سونپی گئی ذمہ داریوں کے منافی تھا۔ الیکشن سیل کی غیر قانونی سرگرمیوں میں حصہ لینا ان کا انفرادی عمل تھا نہ کہ ان اداروں کا جن کی وہ نمائندگی کر رہے تھے۔

6۔ قانون کے مطابق آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس پاکستان کی سرحدوں کے تحفظ اور وفاقی حکومت کو شہری معاملات میں مانگنے پر معاونت فراہم کرنے کی مجاز ہیں۔ لیکن ان اداروں کا سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی جوڑ توڑ اور سیاسی حکومتوں کے قیام میں کوئی کردار نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی وہ کسی سیاسی پارٹی یا سیاسی گروہ یا انفرادی سیاستدان کی ایسی طرفداری یا معاونت کے مجاز ہیں جس کے بل بوتے پر وہ کامیابی حاصل کر سکے۔

7۔ یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ اس وقت کے صدرِ پاکستان مرحوم غلام اسحٰق خان نے جنرل (ر) اسلم بیگ، جنرل (ر) اسد درانی اور دیگر افراد جو کہ ملٹری انٹیلی جنس میں خدمات سر انجام دے رہے تھے اور اب یا تو انتقال کر چکے ہیں یا ریٹائر ہو چکے ہیں، کی ملی بھگت سے غیر قانونی طور پر قائم کردہ انتخابی سیل کے افعال کو کنٹرول کیا۔

8۔ حبیب بینک لمیٹیڈ کے اُس وقت کے چیف ایگزیکٹیو، محمد یونس اے حبیب نے مندرجہ بالا شخصیات کے ایماء پر چودہ کروڑ روپوں کا انتظام کیا۔ یہ عوام کا سرمایہ تھا جس میں سے چھ کروڑ روپے ایسے سیاستدانوں میں بانٹے گئے جن کی

نا مکمل معلومات جنرل (ر) اسد درانی نے پیش کیں۔ تاہم بغیرکماحقہ تفتیش و تحقیق کے ،ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں سنایا جا سکتا۔

9۔ افواجِ پاکستان وفاقی حکومت کی ہدایات کے تحت بیرونی خطرات کے خلاف پاکستان کا دفاع کرتی ہیں اور جب انہیں آئین کے آرٹیکل 245کے تحت بلایا جائے تو وہ قانون کے مطابق سول حکومت کی مدد کرنے کی پابند بھی ہیں ۔مگر ان کی جانب سے کیا جانے والا کوئی بھی ماورائے آئین عمل متعلقہ فوجی افسران کے خلاف آئینِ پاکستان اور قانون کے تحت بلا تفریق کاروائی کا تقاضہ کرتا ہے۔

10۔ چونکہ مسلح افواج نے ملك کے تحفظ کیلئے اور اسے اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کیلئے ہمیشہ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں لہٰذا وہ ایك ادارے کے طور پر قوم کیلئے قابلِ تعظیم ہیں ۔

11۔ افواجِ پاکستان ملك کو لاحق خطرات اور اندرونی و بیرونی حالات سے نبرد آزما ہونے کیلئے، حکومت کی مدد کرتے ہوئے خفیہ اداروں مثلاً آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس وغیرہ سے خفیہ معلومات حاصل کرتی ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ آئی ایس آئی، ملٹری انٹیلی جنس اور کوئی اور ایجنسی جیسا کہ آئی بی وغیرہ ملك کی سیاست پر اثر انداز ہونے کی مجاز نہیں ہے اور نہ اُسے حکومت کو غیر مستحکم کرنے اور الیکشن کمیشن آف پاکستان کی جانب سے منعقد کردہ شفاف اور منصفانہ انتخابات پر اثر انداز ہونے کا اختیار ہے ۔ خفیہ اداروں مثلاً آئی ایس آئی، ملٹری انٹیلی جنس وغیرہ کے افسران /اراکین کی ایسی غیر قانونی سرگرمیاں اُن کے حلفِ منصبی کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہیں اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر سخت کاروائی کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اور اگر وہ ایسی سرگرمیوں میں ملوث پائے جائیں تو قانون اور آئین کے تحت کاروائی کے مستوجب ہیں ۔

12۔ ایوانِ صدر میں یا آئی ایس آئی میں یا ملٹری انٹیلی جنس میں یا ان کے ماتحت قائم کردہ انتخابی سیل کو فوری طور پر ختم کیا جانا چاہئے اور کوئی بھی مراسلہ یا نوٹیفیکیشن جس کے تحت اس قسم کا سیل یا محکمہ چاہے وہ کسی بھی نام سے بنایا گیا ہو /قائم کیا گیا، اس حد تك كالعدم قرار پاتا ہے۔

13۔ اس وقت کے صدرِ پاکستان مرحوم غلام اسحٰق خان ، جنرل (ر) اسلم بیگ اور جنرل (ر) اسد درانی نے 1990ء کے انتخابات میں سیاسی جماعتوں یا سیاسی گروہوں وغیرہ کواپنے سیاسی مخالفین کے خلاف انتخابات میں کامیابی دلانے کی خاطر معاونت فراہم کی جس کیلئے انہوں نے یونس حبیب سے سرمایہ حاصل کیا ۔ اِن کے یہ افعال آئین کی واضح خلاف ورزی ہیں۔ اُن کا یہ فعل پاکستان ، پاکستان کی مسلح افواج اور خفیہ اداروں کیلئے بدنامی کا باعث ہے ۔ لہٰذا باوجود یکه که ان میں سے بعض افراد اب ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں وفاقی حکومت کو ان کے خلاف قانون اور آئین کے مطابق کاروائی کرنی چاہئے۔

14۔ اسی طرح ان سیاسی رہنمائوں کے خلاف بھی قانونی کاروائی ہونی چاہئے جنہوں نے 1990ء کے عام انتخابات میں انتخابی تحریك چلانے کیلئے امداد وصول کی لہٰذا ایف آئی کی جانب سے ان تمام افراد کے خلاف فوجداری سطح پر شفاف تفتیش ہونی چاہئے اور اگر خاطر خواہ شواہد مہیا ہوں تو اُن کے خلاف قانون کے مطابق مقدمه بھی چلایا جائے۔ یونس حبیب کے ساته بھی یہی معاملہ ہونا چاہئے ۔

15۔ اوپر بیان کئے گئے افراد کے خلاف وصول کردہ رقم کی واپسی کیلئے قانون کے مطابق دیوانی کاروائی بھی کی جانی چاہئے۔

16۔ ملٹری انٹیلی جنس کے اکائونٹ نمبر 313 بنام سروے اینڈ کنسٹرکشن گروپ کراچی میں آٹھ کروڑ روپے کی رقم مبینه طور پر جمع

کرائی گئی تھی ۔ اگر ابھی تك حبیب بینك لمیٹیڈ کو یہ رقم واپس نہیں ہوئی تو یہ رقم منافع کے ساتھ حبیب بینك لمیٹیڈ کو واپس کی جانی چاہئے ۔ بصورتِ دیگر یہ رقم حکومتِ پاکستان کے خزانے میں جمع کی جانی چاہئے ۔

103۔ درج بالا تفصیلی وجوہات سے علیحدٰہ ہونے سے قبل ہم سائل ، اس کے فاضل وکیل ،جوابدارن نمبر 1 اور 3 کے فاضل وکیل اور فاضل اٹارنی جنرل کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس مقدمہ کے فیصلہ میں ،جو کہ بوجوہ عرصہ دراز سے زیر سماعت تھا میں مدد و معاونت فراہم کی۔

104۔ اس مقدمہ کی سماعت کے دوران بذریعہ حکم مورخہ 14.03.2012 فاضل اٹارنی جنرل کی توجہ اخباری خبر جو کہ مورخہ 14.03.2012 کو روزنامہ "**ایکسپریس ٹریبیون**" میں بعنوان "**حکومت نے انٹلیجنس بیورو کے اکاونٹ سے لاکھوں روپے نکلوائے**" کی طرف دلائی گئی جس میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ رقم مبلغ 270 ملین روپے انٹیلی جنس بیورو کے اکاؤنٹس سے سال 09-2008 میں پنجاب حکوت کو گرانے کیلئے نکلوائی گئی اس اخبار کے پبلشرز ،پرنٹرز اور رپورٹرز کو سمن جاری کئے گئے جنہوں نے اس اخباری خبر میں لگائے گئے الزامات کی تائید میں کچھ دستاویزات پیش کیں۔ اس اخباری خبر کو بطور متفرق دیوانی درخواست درج کیا گیا اور اس مقدمے سے علیحدہ کرتے ہوئے اس اخبار کے پبلشرز ،پرنٹرز اور رپورٹرز کے ساتھ ساتھ ڈی جی، انٹیلی جنس بیورو اور فاضل اٹارنی جنرل کو عدالت میں پیشی کے لئے دو ہفتے بعد کا نوٹس دیا جاتا ہے۔

105۔ موجودہ انسانی حقوق کا مقدمہ درجِ بالا وجوہات کی بناء اختتام پذیر ہوتا ہے۔

دستخط

افتخار محمد چوہدری، چیف جسٹس

دستخط

جواد ایس خواجہ، جج

دستخط

خلجی عارف حسین، جج